

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگذشت و حیات

# سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات، اسوہ صحابیات

اہل کتاب صحابہ



فَالصَّلَاحَاتُ قَبِيضَةٌ حَفِظَتْ بِالْغَيْبِ  
بِمَا حَفِظَ اللَّهُ  
بِسُلَّةٍ

# سِيرُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

## سیر الصحابیات

یعنی

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اکابر صحابیات کے سوانح زندگی اور ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

از

جناب مولانا سعید انصاری  
سابق رفیق دارالمصنفین

بمدرسالہ

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

سید سلیمان ندوی

ناشر

042 - 7223506 : فون : فضل الہی مارکیٹ  
چوک اردو بازار لاہور

اسلامی عتبہ

## کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد ششم)	.....	بلسلہ
سیر الصحابیات، اسوۃ صحابیات، اہل کتاب صحابہ (حصہ اول + حصہ دوم + حصہ سوم)	.....	نام کتاب
ممتاز احمد	.....	طابع
اسلامی کتب خانہ	.....	ناشر
لعل شار پرنٹرز	.....	مطبع

## ملنے کے پتے

غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اردو بازار لاہور	↔	مکتبہ رحمانیہ
فضل الہی مارکیٹ اردو بازار لاہور	↔	ممتاز اکیڈمی
۲۸ اردو بازار لاہور	↔	مکتبہ العلم
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور	↔	خزینہ علم و ادب

## نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!  
(ادارہ)

# فہرست صحابیات

## سیرت صحابیات رضی اللہ عنہن

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
78	۸- حضرت جویریہؓ	5	دیباچہ
82	۹- حضرت ام حبیبہؓ	۱۸-۵	
87	۱۰- حضرت میمونہؓ	7	صحابیاتؓ کے مذہبی کارنامے
90	۱۱- حضرت صفیہؓ	10	سیاسی کارنامے
	بنات طاہراتؓ	10	علمی کارنامے
	۱۱۱-۹۵	12	عملی کارنامے
95	۱- حضرت زینبؓ	13	انتخاب و ترتیب
98	۲- حضرت رقیہؓ	17	دیباچہ طبع ثانی
101	۳- حضرت ام کلثومؓ		از و اج مطہراتؓ
102	۴- حضرت فاطمہؓ	۹۴-۱۹	
	عام صحابیات	19	۱- حضرت خدیجہؓ
	۱۹۲-۱۱۲	30	۲- حضرت سودہؓ
112	۱- حضرت امہؓ	36	۳- حضرت عائشہؓ
114	۲- حضرت صفیہؓ	49	۴- حضرت حفصہؓ
117	۳- حضرت ام ایمنؓ	55	۵- حضرت زینب ام المساکینؓ
120	۴- حضرت فاطمہ بنت اسدؓ	56	۶- حضرت ام سلمہؓ
122	۵- حضرت ام الفضلؓ	71	۷- حضرت زینب بنت جحشؓ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
166	۱۹۔ حضرت اسماء بنت یزید	124	۶۔ حضرت ام رومانؓ
170	۲۰۔ حضرت ام درداءؓ	127	۷۔ حضرت سمیہؓ
171	۲۱۔ حضرت ام حکیمؓ	129	۸۔ حضرت ام سلیمؓ
173	۲۲۔ حضرت خنساءؓ	135	۹۔ حضرت ام عمارہؓ
176	۲۳۔ حضرت ام حرامؓ	137	۱۰۔ حضرت ام عطیہؓ
178	۲۴۔ حضرت ام ورقہؓ	140	۱۱۔ حضرت ربیعہ بنت معوذ بن عفراءؓ
180	۲۵۔ حضرت ہندؓ	143	۱۲۔ حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب
184	۲۶۔ حضرت ام کلثومؓ	145	۱۳۔ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب
	۲۷۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا	147	۱۴۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ
186	بنت ابی سلمہ	151	۱۵۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ
188	۲۸۔ حضرت ام ابی ہریرہؓ	158	۱۶۔ حضرت فاطمہؓ بنت قیس
189	۲۹۔ حضرت خولہؓ بنت حکیم	162	۱۷۔ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ
191	۳۰۔ حضرت حمزہؓ بنت جحش	164	۱۸۔ حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دیباچہ

﴿يُنسَخُ لَكُمْ فِي الشُّمُورِ وَمَا لِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقَلْبُوسِ الْغَزِيْرِ  
الْحَكِيمِ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رُسُلًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (جمہ)

اسلام کا مقصد تو حید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و  
بلند شاہ و گدا، امیر و غریب، ذمیع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے  
تھے۔ اس لیے اس نے اپنی تعلیمات، احکام اور قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات  
کا پیغام سنایا جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ  
نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتا تھا۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی صرف ایک صنف (مرد) کی  
اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھا، مصر، بائبل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان  
تمدن کے جنم آراء تھے لیکن صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دھل نہ تھا، اسلام  
آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا، اس  
لیے جب اس کے باغ تمدن کی بہار آئی تو ایک نیا رنگ و بو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے مشرق  
میں عورت مرد کے دامن تقدس کا داغ ہے، روم اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ یونان اس کو  
شیطان کہتا ہے۔ تورات اس کو لعنت الہی کا مستحق قرار دیتی ہے۔ یہاں اس کو باغ  
انسانیت کا کاٹنا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے۔ لیکن اسلام کا  
نقطہ نظر ان سب سے جداگانہ ہے وہاں عورت نسیم اخلاق کی کھبت اور چہرہ انسانیت کا

غازہ بھی جاتی ہے۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی۔ لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔ عرب جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول پر:

یا نجشہ! رویدک بالقواریر.

”انجشہ! دیکھنا یہ آگینے ہیں۔“

غور کرو تو تم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہوگی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا، صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

الرجل راع علی اہله وهو مسئول والمرأة راعیة علی بیت زوجها  
وہی مسئولة. (ج ۲ ص ۷۸۳)

”مرد اپنے اہل کاراع بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہوگا اور عورت شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔“

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

لیس تملکون منہن شیئاً غیر ذلک الا ان باتین بفاحشة مبینة.

”تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں۔“

اس بنا پر اسلام میں عورت کی جو منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و مذہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس افسانہ پاریہ میں صنف نازک کی سعی

وکوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعتاً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر و غرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا یونان بلاشبہ اپنی ”ربات النوع“ کو پیش کر سکتا ہے۔ ہندوستان متعدد عصمت و عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے۔ یورپ کا ”گولڈن ڈیٹس“ چند جنگ آزما عورتوں کو منظر عام پر لا سکتا ہے۔ لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔ قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں، مصر اس سلسلہ میں آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم پیش کرے گا۔ تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی۔ ناصرہ مریم عذرا علیہا السلام کو سامنے لائے گا۔ ان خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟ بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے۔ اس لیے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے جو صحابیات سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیات رضی اللہ عنہن کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں۔ اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی، غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام مہارہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قویہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام مہارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر روکا



چنانچہ کندھے زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے کموار ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔ جنگ مسلّمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔

غزوہ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جود امیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔ غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لے کر نکلنا ایک مشہور بات ہے۔

جنگ یرموک میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ابانؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہندؓ، اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماء بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں، خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا تھا۔

نہ صرف بری بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن شرکت کرتی تھیں۔ ۲۸ھ میں جزیرہ قبرس پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرام اس میں شامل ہوئیں۔

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیات رضی اللہ عنہن اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں؛ مثلاً ۱ پانی پلانا ۲ زخیوں کی مرہم پنی کرنا ۳ مقتولوں اور زخیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا ۴ چرخہ کا تنا ۵ تیرا اٹھا کر دینا ۶ خورد و نوش کا انتظام کرنا ۷ پکانا ۸ قبر کھودنا فوج کو ہمت دلانا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ، ام سلیمؓ، ام سلیطہؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخیوں کو پانی پلایا تھا، ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخیوں کی تیمارداری کرتی تھیں اور

۱ ابن ہشام ص ۸۴۔ ۲ ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴۔

۳ زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹۔ ۴ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔

۵ اصابہ ج ۸ ص ۱۳۔ ۶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

۷ صحیح بخاری۔

اس مقصد کے لیے وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں۔<sup>۱</sup> ربیع بنت معوذہ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا۔<sup>۲</sup> ام الشجمیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی، وہ تیراٹھا کر لاتی اور سٹوپلاتی تھیں۔<sup>۳</sup> حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لیے کھانا پکایا تھا۔<sup>۴</sup> اغواٹ اور امارٹ وغیرہ جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئیں، عورتوں اور بچوں نے گورکھی کی خدمت انجام دی تھی۔<sup>۵</sup> اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا سینہ ہتھے ہتھے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گیا تو ہنڈ اور خولہ نے پر جوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی۔<sup>۶</sup>

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بڑی خدمت ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی دعوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔<sup>۷</sup> ام سلیم کی ترغیب سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آستانہ اسلام پر سر جھکایا تھا۔<sup>۸</sup> عکرمہؓ اپنی بیوی ام حکیمہ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے۔<sup>۹</sup> اور ام شریک دوسرے کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا، جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں۔<sup>۱۰</sup>

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا ہے۔<sup>۱۱</sup> ۳۵ھ میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہو گیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی، جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کو کبھی کبھی

۱۔ البوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲۔ ۲۔ بخاری کتاب الطب بل ید اوی الرجل المرہ۔ ۳۔ البوداؤد ج ۱ ص ۲۷۰۔

۴۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔ ۵۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۱۷۔ ۶۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳۔

۷۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۹۔ ۸۔ اصابع ج ۱ ص ۱۰۶۔ ۹۔ مسند۔ ۱۰۔ مؤطا امام مالک کتاب الکاح۔

عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام ورقہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا اور سعد بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں، ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو جبہ گاہ بنا لیا تھا، جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں<sup>۱</sup> (عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

### سیاسی کارنامے:

صحابیات رضی اللہ عنہن نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں، چنانچہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ اس درجہ صاحبہ الرائے تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو تحسین کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے<sup>۲</sup> حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسا اوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔<sup>۳</sup> ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہ بنت صفی نے جو عبد المطلب کی بھتیجی تھیں، سرور عالم ﷺ کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی،<sup>۴</sup> چنانچہ آپ خواب گاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔<sup>۵</sup>

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے، سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانہ میں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ تھیں، ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:<sup>۶</sup>

قد اجرنا من اجرت و امننا من امننا.

”تم نے جس کو پناہ دی ہم نے بھی دی۔“

### علمی کارنامے:

اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن کمال

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۳۔ ۲۔ کتاب الام شافعی ج ۱ ص ۱۳۵، اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۷۴، ۳۸۹۔

۳۔ ایضاً ص ۳۸۷۔ ۴۔ اصابع ج ۸ ص ۳۲۔ ۵۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۔ ۶۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۳۔

رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔<sup>۱</sup>  
ہند بنت اسیدؓ، ام ہشامؓ بنت حارثہ، راطہؓ بنت حیان اور ام سعد بنت سعد ابن ربیع بعض  
حصوں کی حافظ تھیں، ام سعد قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں۔<sup>۲</sup>

تفسیر میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کو خاص کمال تھا، چنانچہ صحیح مسلم کے آخر میں ان  
کی تفسیر کا معتد بہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ تمام صحابیات سے  
ممتاز تھیں۔<sup>۳</sup> حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں  
روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، ام ہانی اور فاطمہؓ بنت قیس بھی  
کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقد میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی  
ہیں۔<sup>۴</sup> حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ حضرت صفیہؓ،  
حفصہؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، فاطمہ زہراؓ، ام شریکؓ، اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، لیلیٰ بنت قائفؓ، خولاء  
بنت تویتؓ، ام الدرداءؓ، عائکہؓ بنت زید، سہلہ بنت سہیلؓ، فاطمہؓ بنت قیسؓ، زینبؓ بنت جحشؓ، ام  
سلمہؓ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ، ام سلمہؓ کے فتاویٰ ایک مختصر رسالہ میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کو خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے  
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے فرائض کے متعلق دریافت کرتے تھے۔<sup>۵</sup>

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات رضی اللہ عنہن دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً علم  
اسرار میں حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہا کو پوری واقفیت تھی،<sup>۶</sup> خطابت میں اسماءؓ بنت سکن کا  
خاص شہرہ تھا۔<sup>۷</sup> تعبیر میں اسماءؓ بنت عمیس مشہور تھیں۔<sup>۸</sup>

۱ فتح الباری ج ۹ ص ۷۷۔ ۲ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶۔ ۳ ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶۔

۴ اعلام الموقعین ابن قیم ج ۱ ص ۱۳۔ ۵ ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶۔ ۶ مند۔

۷ اسباب ج ۸ ص ۱۲۔ ۸ ایضاً ص ۹۔

طب اور جراحی میں رفیدہ اسمیہ، ام مطاع، ام کبشہ، حنہ بنت جحش، معاذہ، لیلیٰ امیہ، ام زیادہ، ربیع بنت معوذ، ام عطیہ، ام سلیم کو زیادہ مہارت تھی رفیدہ کا خیمہ جس میں جراح خانہ بھی تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے پاس تھا۔

شاعری میں خنساء سعدی، صفیہ، عائکہ، امامہ مریدیہ، ہند بنت حارث، زینب بن عوام اروی، عائکہ بن زید، ہند بنت اثاثہ، ام ایمن، قہیلہ عبد رییہ، کبشہ بنت رافع، میمونہ بلویہ، نعم، رقیہ زیادہ نامور ہیں، خنساء بئسینہ کا جواب آج تک عورتوں میں پیدا نہیں ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔

### علمی کارنامے:

اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کتابت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں۔ اسد الغابہ اور مسند احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیات جنیٹن عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں، جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔ کاشتکاری تمام صحابیات جنیٹن نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں، مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء بئسینہ کا بھی یہی مشغلہ تھا۔

لکھنا بہت سی صحابیات جنیٹن جانتی تھیں، چنانچہ شفاء بنت عبد اللہ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے۔ جنہوں نے ایام جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھا سیکھ لیا تھا۔ شفاء کے علاوہ حضرت حفصہ، ام کلثوم بنت عقبہ اور کریمہ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں، حضرت عائشہ بئسینہ اور ام سلمہ بئسینہ کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا۔ لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔

صحابیات جنیٹن میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ بئسینہ کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔ خولاء، ملیکہ، ثقفیہ اور بنت مخریہ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔

۱ ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳۔ ۲ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۹۸ و مسند ج ۵ ص ۱۶۶۔ ۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۶۔

۴ فتوح البلدان باذنی ص ۴۷۲ ص ۴۷۳۔ ۵ اصابع ج ۸ ص ۶۱۔ ۶ اسد الغابہ ص ۴۳۲، ۴۳۸ ج ۵۔

سینا عام تھا چنانچہ فاطمہ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں انصار کی لڑکیاں گیت گاتی تھیں بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں اور فریہ بنت معوذ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنب تھا آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے ارنب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اصابہ میں آیا ہے۔<sup>۱</sup>

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کے ساتھ قرآن پڑھتیں تھیں اور خاص آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔<sup>۲</sup> ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن اور کام بھی جانتی تھیں مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا طائف کی کھالیں درست کرتی اور ان کو دباغت دیتی تھیں،<sup>۳</sup> حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی دستکار تھیں۔<sup>۴</sup> اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔  
انتخاب و ترتیب:

یہ کتاب صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم میں کی آخری جلد ہے صحابیات رضی اللہ عنہن کے حالات میں اگرچہ بعض کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ناپید ہے۔<sup>۵</sup> اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ ابونعیم (متوفی ۴۰۳ھ) اور ابوموسیٰ اصفہانی (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب ہے۔ اس میں ۳۹۸ صحابیات رضی اللہ عنہن کے

۱ اسد الغابہ ج ۸ ص ۴۔ ج مسند ج ۶ ص ۳۰۲-۳۰۳۔ ج اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۰۔

۲ ایضاً ص ۴۶۵۔ ۵ ایضاً ص ۴۷۲۔

حالات ہیں جن میں مکررات ہیں اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہ کا استقصاء کر لیا تھا۔ حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے طبقات الصحابہ میں جو محمد بن سعد زہری کا تب واقدی کی تصنیف ہے اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے۔ ۶۲۷ عورتوں کے حالات ہیں۔ جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ اشیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں عورتوں کے حالات کا ایک مخصوص حصہ کیا اس میں ۱۰۲۲ صحابیات کے نام ہیں جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو نہایت ضخیم کتابیں لکھیں تہذیب التہذیب اور اصابہ فی تمییز الصحابہ تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے۔ جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں ان میں مکرر نام بھی آئے ہیں اور تابعیات کے حالات بھی البتہ اصابہ کی انھوں جلد خاص صحابیات کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اس میں مکررات بھی ہیں اور کئی تیس بھی اصابہ میں صحابیات ہی جتنی کی سب سے بڑی تعداد میں مذکور ہے۔  
تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں:

① سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد ناموں کا استقصاء ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے۔

② کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں جن کے حالات دوسرے طریقوں سے

بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو برسبیل تذکرہ کسی حدیث میں آگئے ہیں۔  
● بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا۔

● کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں مثلاً امراء (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا۔

● عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھ جاتے ہیں ان کنتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔ تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں البتہ طبقات ابن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں پھوپھیوں ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہرات کے تراجم ہیں پھر قریش اور عام مہاجرات کا تذکرہ ہے اس کے بعد انصاریات کے حالات ہیں جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہرات وغیرہ سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیات سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں وہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا لیکن موجود زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں نا کافی تھیں۔ نیز مسلمانوں کا موجودہ منزل ان کی کتابوں کو نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا اس بنا پر ہم نے کتب اسما الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسما الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا ہم نے ان کی بجائے مذہبی سیاسی علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں یہ



وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیات مجتہد کی تعداد کو گھٹا دیا، جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی محدود ہو گیا۔

اس کتاب میں ۴۵ صحابیات مجتہد کی سوانح عمریاں ہیں جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور اس بنا پر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کی بجائے صحابیات کی تاریخ بن گئی ہے۔ جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک ایک خال و خط نظر آتا ہے۔ واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مد نظر رکھی گئی ہے اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے اسی بنا پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں قارئین کو صحابیات مجتہد کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں اس لیے یہ بات واضح رہنا چاہیے کہ یہ کتاب تذکرہ تراجم کی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح کا موضوع نہیں ہے۔ اس لیے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لیے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔ قارئین کی سہوت کے لیے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فروگزاشیں ہو گئی ہوں لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

وقد قال الله تعالى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

سعید انصاری  
دار المصنفین اعظم گڑھ  
۵ محرم ۱۴۳۰ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ طبع ثانی

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ ہزاروں مہینوں کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا، اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے:

- ❶ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی
- ❷ مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم سابق صدر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔
- ❸ مولانا سعید انصاری صاحب۔

یہ سیر الصحابیات بی بی بیٹن آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۳ برس پہلے ۱۳۴۱ھ میں چھپی تھی اور اب دوبارہ شائع کی جا رہی ہے اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا اولیس صاحب نگر امی ندوی نے نظر ثانی کی ہے۔ حوالوں کی تصحیح، بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لیے وہ شکر یہ کے مستحق ہیں امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لیے خیر جاری ثابت ہوگی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے

سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لیے ان کا ارادہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں لیکن ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی کتاب کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری، خدا ترسی، پاکیزگی، عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا اور آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

۳ شعبان ۱۳۶۳ھ



## (۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

خدیجہ نام ام ہند کنیت طاہرہ لقب سلسلہ نسب یہ ہے:  
خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان  
رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لوی  
بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے۔ مکہ آ کر  
اقامت کی، عبدالدار بن قصی کے جو ان کے ابن عمر تھے حلیف بنے اور یہیں سے فاطمہ  
بنت زائدہ سے شادی کی، جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا  
ہوئیں۔ اس شور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔<sup>۱</sup>

نکاح:

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لیے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ  
اور تورات و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی  
اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔<sup>۲</sup>

ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عامر مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسی زمانہ میں حرب اللجاری چھڑی، جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ لڑائی  
کے نکلے لیے اور مارے گئے۔<sup>۳</sup> یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔<sup>۴</sup>

۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۰۸۔ ۲ اسابہ ج ۸ ص ۲۰۔ ۳ استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸۔

۴ طبقات ج ۸ ص ۹۔ ۵ ایضاً ص ۸۱ ج ۱ اق ۱۔

## تجارت:

باپ اور شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت واقع ہوئی ذریعہ معاش تجارت تھا جس کا کوئی نگران نہ تھا تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم کو خدیجہ (بُیسیہ) سے جا کر ملنا چاہیے ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لیے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہرت "امین" کے لقب سے تمام اہل مکہ میں تھی اور آپ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کا عام چرچا تھا حضرت خدیجہؓ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی"۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہ) کے ہمراہ بصری تشریف لے گئے اس سال کا نفع ساہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آتی ہیں:

حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن کارکنان قضا و قدر کی نگاہ انتخاب کسی پر پڑ چکی تھی آنحضرت ﷺ مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا نفیسہ بنت معیہ (یعلیٰ بن امیہ کی ہمسر) اس خدمت پر مقرر ہوئی آپ نے منظور فرمایا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوئی حضرت خدیجہؓ کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے۔

تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورے سے ۵۰۰ سولطائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہرہ حرم نبوت ہو کر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔

اسلام:

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اور وہ یہ ہے:

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحى الرؤيا الصالحة فى النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح، ثم حجب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالى ذوات العدد قبل ان ينزع الى اهله ويتزود لذلك ثم يرجع الى خديجة فيتزود لمثلها حتى جاء الحق وهو غار حراء فجاءه الملك فقال اقرأ فقل ما انا بقارئ قال فاخذنى فغطى حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال اقرأ فقل ما انا بقارئ فاخذنى فغطى الثانية حتى بلغ منى الجهد الثالثة ثم ارسلنى فقال اقرأ باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاكرم، فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد

فقال زملونى زملونى فزملوه حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة  
واخبرها الخبر لقد خشيت على نفسى فقالت خديجة. كلا والله ما  
يخزيك الله ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب  
المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق فانطلقت به  
خديجة حتى اتت به ورقه بن نوفل بن اسد بن عبد العزى ابن عم  
خديجة وكان امرأ تنصر فى الجاهلية وكان يكتب الكتاب العبرانى  
فيكتب من الانجيل بالعبرانية ماشاء الله ان يكتب وكان شيخا كبيرا  
قد عمى فقالت له خديجة يا ابن اخى ما ذا ترى فاخبره رسول الله  
صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذى نزل  
الله على موسى ياليتنى فيها جذعاً ياليتنى اكون حيا اذ يخرجك  
قومك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجى هم قال نعم  
لم يات رجل قد بمثل ما جنت به الاعدى وان يدر كنى يومك  
انصرك نصرا مؤذرا ثم لم ينشب ورقة ان توفي وفتر الوحي!

”حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء روایاً صادقہ سے ہوئی آپ جو کچھ خواب دیکھتے تھے سپید صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا اس کے بعد آپ ﷺ خلوت گزریں ہو گئے چنانچہ کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے تھے اور وہاں تہنث یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ہو چکے تو پھر خدیجہؓ کے پاس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں اس نے زور سے دبا یا پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں اس طرح تیسری دفعہ دبا کر کہا پڑھ اس خدا کے نام

جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے آدمی گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے، آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو جلال الہی سے لبریز تھے، آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا مجھ کو کپڑا اڑھاؤ، مجھ کو کپڑا اڑھاؤ، لوگوں نے کپڑا اڑھایا تو ہیبت کم ہوئی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ”مجھ کو ڈر ہے“ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں پھر وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہباً نصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے، اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، خدیجہ نے کہا اپنے بھتیجے (آنحضرت ﷺ) کی باتیں سنو، بولے ابن الاخ تو نے کیا دیکھا؟ آنحضرت ﷺ نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترتا تھا۔ کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی کچھ دنوں کے لیے رک گئی۔

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت ﷺ نو افل پڑھا کرتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ نو افل میں شرکت کرتی تھیں، ابن سعد کہتے ہیں!

مکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خدیجۃ بعلبان سرا ماشاء اللہ



”آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ بیسویں ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کیے۔“

عیف کندی سامان خریدنے کے لیے مکہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر میں فروکش ہوئے۔ صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی۔ دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے دہنی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی، نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے تو عیف نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے، حضرت عباسؓ نے جواب دیا، ہاں پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد ﷺ ہے، یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے اور یہ محمد ﷺ کی بیوی (خدیجہؓ) ہے، میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں!

عقلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، درایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں، روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طریق ہیں محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے، بغوی، ابویعلیٰ اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خیمہ، ابن مندہ اور صاحب غیلا نیات نے اسے مقبول مانا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ کو اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ آغاز نبوت میں جب آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ”مجھ کو ڈر ہے“ تو انہوں نے کہا کہ ”آپ متردد نہ ہوں، خدا

آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا“ دعوت اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ بیسینہ نے آپ کو تسلی اور تشفی دی، استیعاب میں ہے: <sup>۱</sup>

فكان لا يسمع من المشركين شيئا يكره من رد عليه وتكذيب له الا فرج الله عنه بما تشبهه وتصدقته وتخفف عنه وتهون عليه ما يلقي من قومه.

”آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہ بیسینہ کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے بلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔“

یہ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو مدینہ پر یہ سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے، چنانچہ ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہوئے، حضرت خدیجہ بیسینہ بھی ساتھ آئیں، سیرت ابن ہشام میں ہے: <sup>۲</sup>

وهي عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه في الشعب.

”اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابوطالب میں تھیں۔“

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزارا کہ طمع کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ بیسینہ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ بیسینہ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیبوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ بیسینہ کے پاس بیسبے راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور جھین لینا چاہا، اتفاق سے ابو البخری کہیں سے آ گیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو نرم آیا ابو جہل سے کہا ایک شخص اپنی پھوپھی کو کھانے کے کچھ بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔ <sup>۳</sup>

وفات:

حضرت خدیجہ بیسینہ نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ انہی

۱ استیعاب ج ۲ ص ۷۳۰۔ ۲ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲۔ ۳ السنن

(ہجرت سے تین سال قبل) <sup>۱</sup> انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال ۶ ماہ کی تھی چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے ان کی لاش اسی طرح دفن کر دی گئی۔

آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی نعمتگار کو داعی اجل کے پرد کیا، حضرت خدیجہؓ کی بیٹی کی قبر جو ان میں ہے <sup>۲</sup> اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد:

حضرت خدیجہؓ کی بہت سی اولاد ہوئی، ابوبالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے دو لڑکے پیدا ہوئے، جن کا نام ہالہ اور ہند تھا، دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں، صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

① حضرت قاسمؓ، ابوہریرہؓ، آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے، ان ہی کے نام پر آپ ﷺ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے، صغریٰ میں مکہ میں انتقال کیا، اس وقت بیروں چلنے لگ تھے۔

② حضرت زینبؓ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

③ حضرت عبداللہ نے بہت کم عمر پائی، چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

④ حضرت رقیہؓ کی بیٹی ⑤ حضرت ام کلثومؓ کی بیٹی ⑥ حضرت فاطمہؓ زہراؓ کی بیٹی

ان سب میں ایک ایک سال کا چھٹا پا بڑا پا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا یعنی صاحب ثروت تھیں اس لیے عقبہ کی لوٹنی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا، وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض خاص خصوصیتیں حاصل ہیں، وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی ہیں، وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی، حضرت ابراہیم کے سوا آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد انہیں سے پیدا ہوئی۔

### فضائل و مناقب:

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ کی تائید میں نہ اٹھی، کوہ حرا، وادی عرفات، جبل قارآن غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا، لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تھومج پیدا کر رہی تھی، یہ آواز حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی، جو اس ظلمت کدہ کفر و ضلالت میں انوار الہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ مقدس خاتون ہیں، جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”بخدا میں کبھی لات و عزئی کی پرستش نہ کروں گا“ انہوں نے جواب دیا کہ ”لات کو جانے دیجیے، عزئی کو جانے دیجیے، یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے“ آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کی صدا بلند کی تھی سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا، آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی ﷺ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے، ابن ہشام میں ہے:

و کانت له وزیر صدق علی الاسلام.

”وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔“

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت و ثروت کے جو ان کو حاصل تھی آنحضرت ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ ”خدیجہ بنی سہمیہ برتن میں کچھ لاری ہیں آپ ان کو خدا کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے“<sup>۱</sup> آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہ سے سخت محبت تھی، لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے، حضرت خدیجہ بنی سہمیہ نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کی بجائے شہنشاہ رسالت (ﷺ) کے غلام تھے۔

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہ بنی سہمیہ سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے، حضرت عائشہ بنی سہمیہ کہتی ہیں کہ گو میں نے حضرت خدیجہ بنی سہمیہ کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے“<sup>۲</sup>

ایک دفعہ حضرت خدیجہ بنی سہمیہ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ بنی سہمیہ سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو خدیجہ بنی سہمیہ یاد آگئیں اور آپ جھک اٹھے اور فرمایا کہ ”ہالہ ہوں گی“ حضرت عائشہ بنی سہمیہ بھی موجود تھیں ان کو

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹۔

۲ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳۔

نہایت رشک ہوا، بولیں کہ ”آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں، جو مرچکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دیں“ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے، لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی<sup>۱</sup> اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی۔“

حضرت خدیجہ بٹیسینا کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:

خیر نسانہا مریم بنت عمران وخیر نسانہا خدیجۃ بنت خویلد.

”عالم میں افضل ترین عورت مریم اور خدیجہ بٹیسینا ہیں۔“

ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، خدیجہ بٹیسینا آئیں تو فرمایا:

بشر ہابیت فی الجنة من قصب لا صخب فیہ ولا نصب.

”ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دیجیے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔“



۱۔ سیرۃ النبی ﷺ، جلد دوم، طبع دوم، ص ۴۰۱۔

۲۔ بخاری باب تزویج النبی ﷺ، وضحیہ وضمہا۔

## (۲) حضرت سودہ بنت جحش

نام و نسب:

سودہ نام تھا، قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں، جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا، سلسلہ

نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن

عامر بن لوی، ماں کا نام شمس تھا، یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں، ان کا پورا نام و نسب

یہ ہے، شمس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

نکاح:

سکران بن عمرو سے جو ان کے والد کے ابن عم تھے، شادی ہوئی۔

قبول اسلام:

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام

لائے، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے

وقت تک حضرت سودہ بنت جحش اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم

و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو

اس میں حضرت سودہ بنت جحش اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ واپس آئیں اور سکران بنت جحش نے کچھ دن بعد وفات پائی۔

حضرت سودہ حرم نبوت میں:

ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ بنت جحش کو حاصل ہے کہ حضرت

خدیجہ بنت جحش کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں

آئیں، حضرت خدیجہ بنت جحش کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ

حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم (عثمان بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا ہاں گھریاں بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ بنت جحش کے متعلق تھا آپ کے ایماء سے وہ حضرت سودہ بنت جحش کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحاً پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا محمد (ﷺ) شریف کفو ہیں لیکن سودہ بنت جحش سے بھی تو دریافت کر ڈی غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ بنت جحش کے والد نے نکاح پڑھایا چار سو درہم مہر قرار پایا نکاح کے بعد عبد اللہ بن زعد (حضرت سودہ بنت جحش کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ افسوس آتا تھا۔

حضرت سودہ بنت جحش کا نکاح ۱۰ نبوی میں ہوا اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہ بنت جحش کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لیے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہ بنت جحش کو تقدم ہے اور عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہ بنت جحش کو مقدم سمجھتے ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہ بنت جحش نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا وہ ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوگا چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔  
عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زید بن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہ بنت جحش وغیرہ کو لے آئیں چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہ زہرا بنت جحش حضرت زید کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۔ زرقاتی ج ۳ ص ۲۶۱۔ ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶۔ ۳۔ زرقاتی ج ۳ ص ۲۶۰۔

۴۔ زرقاتی ج ۳ ص ۲۶۰۔ ۵۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸، ۳۹۔



۱۰ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو حضرت سودہؓ بھی ساتھ تھیں چونکہ وہ بلند وبالا اور فرہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے اجازت دی کہ لوگوں کے مزدلفہ سے روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہیے کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔  
وفات:

ایک دفعہ ازواج مطہراتؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا فرمایا کہ جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے ہاتھ ناپے گئے تو حضرت سودہ کا ہاتھ لمبا تھا<sup>۱</sup> لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ بڑائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی بہر حال واقعہ نے حضرت سودہؓ کی وفات کا سال ۵۴ھ بتایا ہے<sup>۲</sup> لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے حضرت سودہؓ کی وفات کا سال ۲۲ھ ہوگا<sup>۳</sup> خیس میں یہی روایت ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے<sup>۴</sup> اور اس کو امام بخاریؒ، جزریؒ، ابن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔

#### اولاد:

آنحضرت ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پہلے شوہر (حضرت سکران) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا جس کا نام عبدالرحمن تھا انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸ - ۲ طبقات ج ۸ ص ۳۷ - ۳ طبقات ابن سعد ج ۸ (ص ۳۷، ۳۹)

۲ اسد الغابہ و استیعاب و خلاصہ تہذیب حالات سودہ - ۵ زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲ -

۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ -

حلیہ:

ازواج مطہرات میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی بلند و بالا نہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا ہے اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں، زر قانی میں ہے کہ ان کا ڈیل لمبا تھا۔  
فضل و کمال:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمنؓ (بن اسعد زراہ) نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ۱

ما من الناس امرأة احب الى ان اكون في مسلاخها من سودة.  
”سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔“

اطاعت اور فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا، ۲ چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ ۳

سادات اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۔ ۲ زر قانی ج ۳ ص ۳۵۹۔

۳ طبقات ج ۸ ص ۳۷۔ ۴ زر قانی ج ۳ ص ۲۹۱۔

۵ طبقات ج ۸ ص ۳۸۔

وہ اس وصف میں بھی ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ بولا درہم بولیں، کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا، وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں، وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں، لیکن چونکہ ان کا سب بہت زیادہ تھا اس لیے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں، اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لیے۔

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بے حد معترف تھیں، لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں، ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جا رہی تھیں، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا قد نمایاں تھا، انہوں نے پہچان لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہر نکلنا ناگوار ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔

بائیں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ ﷺ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکمیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی، آپ اس جملہ کو سن کر مسکرائے۔

دجال سے بہت ڈرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

۱۔ اصابع ۸ ص ۱۱۸۔ ۲۔ ایضاً ص ۶۵ حالات خلیفہ۔

۳۔ صحیح بخاری و مسلم (کتاب النکاح جواز بہ نہ نوجہا للرضعنا)۔

۴۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۔ ۵۔ ابن سعد ج ۸ ص ۳۷۔

کے پاس آ رہی تھیں دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا، تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا دجال نے خروج کیا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر گھبرا گئیں، ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے، قریب تھا، فوراً اس کے اندر داخل ہو گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا ہنستی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں، اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی، آپ ﷺ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے، یہ سن کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا باہر آئیں تو مکزی کا جالابدن میں لگا ہوا تھا، اس کو باہر آ کر صاف کیا، میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سنداً ضعیف ہے۔



## (۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی، اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو لگن ہوئیں، اس بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابوالقیس تھی، وائل کے بھائی ارفع، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں، رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔

نکاح:

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی کنواری بیوی تھیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں، لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا، اور

۱ بخاری ج ۱ ص ۲۵۲ - ۲ ایضاً ص ۳۲۰ - ۳ ایضاً ص ۳۶۱۔

☆ یہ مصنف کا سوہ ہے۔ حضرت عائشہ کی نسبت خود جبیر بن مطعم سے ملے ہوئی تھی جو مطعم بن عدی کے بیٹے تھے۔

بعد میں حضرت جبیر بن مطعم کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (محمد عرفان الحسن خالد)

انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، وہ بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا۔

بہر حال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا، پانچ سو درہم مہر قرار پایا، یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، عطیہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ ”جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی، جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا،“

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا، ۱۳ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے زور میں چھوڑے تھے۔ جب اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقظ کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہن کو لے آئیں، مدینہ میں آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشہد امرض سے سر کے بال جھڑ گئے، صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جمولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصاری کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو شب نے مبارک باد دی، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت ﷺ تشریف لائے، شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہؓ بئسینہ کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی

① عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے اسی بنا پر جب خولہ نے حضرت ابو بکرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ ”کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے“۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم صرف مذہبی بھائی ہو۔

② اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

### عام حالات:

غزوات میں صرف غزوہ احد میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہؓ (بئسینہ) اور ام سلیم (بئسینہ) کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخموں کو پلاتی تھیں“۔

غزوہ مصطلق ۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ تھیں واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا پورے قافلہ کو اترنا پڑا نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا تمام صحابہؓ پریشان تھے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے اسید بن حضیر نے کہا ”اے آل ابو بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو“۔ اسی لڑائی میں واقعہ فک پیش آیا۔ یعنی منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ”بالکل افتراء ہے“ اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ھ میں تحریم اور ایلاء و تخیر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہؓ کے حالات میں آئے گی۔ البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر نقل کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن گو شرف صحبت کی برکت سے تمام اہنائے جنس سے ممتاز ہوئیں تھیں۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی، خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ ان کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ بیچ میں آپ ﷺ ہیں اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفع کا تقاضا ہے، دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہو گئے، لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں، آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر غفل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی تو آپ نے فرمایا: ”نہیں“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایام کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ ﷺ بالا خانہ سے اتر آئے، سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، وہ ایک ایک دن گنتی تھیں، بولیں: ”یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا ابھی تو انیس ہی دن ہوئے ہیں ارشاد فرمایا: ”مہینہ کبھی انیس کا بھی ہوتا ہے۔“

اس کے بعد آیت تمخیر نازل ہوئی، اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلع فرمادیں کہ وہ چیزیں تمہارے سامنے ہیں، دنیا اور



آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں' اور اگر تم خدا اور رسول اور ابدی راحت کی طلب گار ہو تو خدا نے ان نیکیوں کا روں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے' چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں' آپ نے ان کو ارشاد الہی سے مطلع فرمایا' انہوں نے کہا: "میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول ﷺ کو لیتی ہوں"۔ تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔

ربیع الاول ۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی، ۱۳ دن علیل رہے، جن میں ۸ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اقامت فرمائی، خلق عمیم کی بنا پر اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے کا ارادہ تھا' ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں' ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلنا نہیں جاتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات کو) آپ ﷺ کو یاد آیا کہ عائشہ وہ اشرافیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد ﷺ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا' آپ پر غشی طاری ہوتی تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں' اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے مع الذین انعم اللہ علیہم اور کبھی یہ فرماتے اللھم الرفیق الاعلیٰ وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ پر ٹیک کر لیئے تھے، عبدالرحمن کے ہاتھ میں سواک تھی، سواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ سواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمن سے سواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح سواک کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فخریہ کہا کرتی تھیں کہ ”تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جوٹھا آپ نے منہ میں لگایا۔“

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعہ بدن کا بوجھ معلوم ہوا، دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں تھیں اور روح پاک عالم قدس میں پرواز کر گئی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے سراقدس تکبہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ابواب مناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بنا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لیے خدا نے دوسری شادی ممنوع قرار دی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کیے، اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن و حدیث کی تعلیم تھا، جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو برس بعد ۳ھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس قدر دل جوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں: ”ابن خطاب نے آنحضرت ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے،“ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام

ازواج مطہرات کے لیے دس دس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب تھیں!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی، جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، جمل اونٹ کو کہتے ہیں چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لیے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت مشہور ہو گئی، یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گئی تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ”مجھے روضہ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بلکہ بقیع میں اور ازواج کے ساتھ دفن کرنا، کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔“ ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾

”اے پیغمبر کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو۔“

تو اس قدر روٹی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا، اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں، قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عقیق، عروہ

ن زبیر اور عبداللہ بن زبیر نے قبر میں اتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ولاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک اتمام بچہ ساقط ہوا تھا اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے تھی، جن کو انہوں نے حنفی بنایا تھا۔

طبیعی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ و سفید تھا۔

ہل وکمال:

علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری مہات المومنین رضی اللہ عنہن پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باسٹنائے چند تمام صحابہ پر اہمیت حاصل تھی، جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ما اشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسنا لنا عائشة الا وجدنا عندنا منہ علما.

”ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں۔“

ام زہری جو سرخیل تابعین تھے فرماتے ہیں:

كانت عائشة اعلم الناس يسئلهما الاكابر من اصحاب رسول الله.

”عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے۔“

عروہ بن زبیر کا قول ہے:

مارأت احداً أعلم بالقران ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقہ ولا بشعر

ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة.

”قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔“

امام زہری رضی اللہ عنہ کی ایک شہادت ہے:

لو جمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فكانت عائشة وسعهم علماً.

”اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے اور اس حیثیت سے وہ اس

قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس

کے ساتھ لیا جاسکتا ہے، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتوے

دیتی تھیں اور اکابر صحابہ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کیے ہیں ان کو علامہ سیوطی نے

ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکت عائشہ علی

الصحابہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں صحابہ میں داخل ہیں ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی

ہیں جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری نے منفرداً ان سے

۵۳ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے

کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، چنانچہ روایت باری

علم غیب، عصمت انبیا، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو

خیالات ظاہر کیے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں۔ طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔ البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کیں ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ انک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، احد، خندق، قرظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہؓ، بیٹیاں اور ازواج مطہرات، صحابہ کرام، دعویٰ میراث، حضرت علیؓ، کمال خاطر اور پھر بیعت کے حالات کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔ ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

مارایت الصبح من عائشةؓ

”میں نے عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔“

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے تاہم جہاں حضرت عائشہؓ کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں، پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے، مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

لما راہی رويا الاجات مثل فلق الصبح.

”آپ جو خواب دیکھتے تھے سپید، سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا۔“

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو جین مبارک پر عرق آجاتا تھا اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مثل الجمان. "پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے۔"

واقعہ لک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں  
مااكتحل بنوم. "میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا تھا۔"

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ جوش کی ہیں وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

"لوگو! خاموش خاموش تم پر میرا مادری حق ہے مجھے فصاحت کی عزت حاصل ہے سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمانبردار نہیں ہے مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا آنحضرت ﷺ نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے میں آپ کی محبوب ترین بیوی ہوں خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق کی تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔"

پھر میرا باپ دنیا میں تیرا مسلمان ہے ہے اور عاقر حرام میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلٹی ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دنوں سرے تمام لیے جس نے نفاق کی باگ روک دی جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے خطر تھے اور شور و غوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس نے شکاف کو برابر کیا بیکار کو درست کیا گرتوں کو سنبھالا دلوں کی مدھون بیماریوں کو دور کیا جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا جو

پیا سے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر پھل چکا اور اہل شرک کے لیے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا.....

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لیے۔

حضرت عائشہؓ بیسیٹا گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان ابن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لیے حاضر ہوتے تھے، امام بخاری نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ بیسیٹا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا، اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے، جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہؓ بیسیٹا نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں، چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے، اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا، وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، مسروق، عمرہ، صفیہ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہ، معاذہ عدویہ۔

اخلاق و عادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بیسیٹا بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع تھیں، نیبیت سے احراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی، تاہم نہایت خود دار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے زیادہ نمایاں وصف جو دو تھا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا

عقد اللہ باب الخلیفہ و ذکرہ و اقدہ جملہ ص ۱۳۔



کرتے تھے کہ ان سے زیادہ سچی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ امیر معاویہ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لیے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا!

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے حبیبی فرزند تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے، حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی، چنانچہ ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا۔

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی میں باز نہ آؤں گی، آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اس کو پڑھ لیتی تھیں، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں، اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں، اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔<sup>۳</sup>



## (۴) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

حفصہ نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن رباح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک، والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا، جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی ہمیشہ تھیں، اور خود بھی صحابیہ تھیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حقیقی بھائی بہن ہیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی ﷺ سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں، اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح حمیس بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی غزوة بدر میں حمیس نے زخم کھائے اور واپس آ کر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی، عدت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی، اسی زمانہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی خواہش کی، انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا، چند دنوں بعد ملاقات ہوئی، تو صاف انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود

رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا، لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں ان کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا قصد نہ ہوتا تو میں اس کے لیے آمادہ تھا۔

وفات:

حضرت حفصہؓ نے شعبان ۳۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ، جنازہ کو لے کر قبر تک لے گئے، ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور لڑکوں عاصمؓ، سالمؓ، عبداللہؓ، حمزہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ جمادی الاول ۳۱ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر سنہ وفات ۳۵ھ قرار دیا جائے، تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر پیدا کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حضرت حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا۔ اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے جنہوں نے امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمرؓ کی نگرانی میں دے گئے تھے، اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔

اولاد:

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال:

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ ہیں 'عبداللہ بن عمرؓ، حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابوعبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہ بن وہبؓ، مطلب بن ابی وداعہؓ، ام مبشر انصاریہؓ، عبداللہ بن صفوان بن امیہؓ، عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ۔  
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں<sup>۱</sup> جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لیے واقعہ ذیل کافی ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اعتراض کیا کہا خدا تو فرماتا ہے:

﴿وَأَنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾

”تم میں ہر شخص وارد جہنم ہوگا آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًا﴾

”پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑیں گے“<sup>۲</sup>

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی، حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا، ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے کہا تم حفصہ کو منتر سکھلا دو<sup>۳</sup>۔  
اخلاق:

ابن سعد میں کے اخلاق کے متعلق ہے:

انہا صوامۃ قوامۃ۔ ”وہ (یعنی حفصہؓ) صائمہ التہار اور قائمہ اللیل ہیں۔“

دوسری روایت میں ہے:

ماتت حفصۃ حتی ما تفتربا۔ ”انتقال کے وقت تک صائمہ رہیں۔“

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں؛ جنگ صفین کے بعد جب حکیم کا واقعہ پیش

آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے؛ لیکن حضرت حفصہؓ نے کہا گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں؛ تاہم تمہیں شریک رہنا چاہیے؛ کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ تمہاری عزت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے۔<sup>۱</sup>

دجال سے بہت ڈرتی تھیں؛ مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا؛ دجال کے

متعلق آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں بتائی تھیں؛ اس میں بہت سی موجود تھیں؛ اس کی عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہو گئی؛ انہوں نے اس کو سخت کہا؛ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہو گیا؛ ابن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا؛ حضرت حفصہؓ کو خبر ہوئی تو بولیں؛ تم کو اس سے کیا غرض؛ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔<sup>۲</sup>

حضرت حفصہؓ نے مزاج میں ذرا تیزی تھی؛ آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی دو

بدو گفتگو کرتیں؛ اور برابر جواب دیتی تھیں؛ چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے؛ اسلام نے ان کو درجہ دیا؛ اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی؛ ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی؛ میں نے کہا: ”تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ؟“ بولیں: ”ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں؛ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے؛ یہاں تک کہ آپ دن دن نھر رنجیدہ

۱۔ اصابع ۸ ص ۵۲۔ ۲۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹۔ ۳۔ مسند ج ۲ ص ۲۸۳ و کتاب الغنن ذکر ابن صیاد۔

رہتے ہیں۔“ میں اٹھا اور حصصہ کے پاس آیا“ میں نے کہا: ”بیٹی میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو“ بولیں: ”ہاں ہم ایسا کرتے ہیں“ میں نے کہا خبردار! میں تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے!“

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ ”مجھ کو حصصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو“ آپ نے فرمایا حصصہؓ خدا سے ڈرو پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا۔ ”تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حصصہؓ بیٹھا تم پر کس بات پر فخر کر سکتی ہے“

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حصصہؓ بیٹھا نے حضرت صفیہؓ بیٹھا سے کہا کہ ”ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی“ حضرت صفیہؓ بیٹھا کو ناگوار گزارا، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت آپ نے فرمایا: ”تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو میرے شوہر محمد ﷺ، میرے باپ ہارون رضی اللہ عنہ اور میرے چچا موسیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔“

حضرت عائشہؓ اور حضرت حصصہؓ بیٹھا حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹیاں تھیں، تقریب نبوی میں دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت حصصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ھ میں پیش آیا، اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا، ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ بیٹھا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ بیٹھا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا، انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی، حضرت عائشہؓ بیٹھا کو رشک ہوا، حضرت حصصہؓ بیٹھا سے کہا رسول اللہ ﷺ جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپ کے

منہ سے مغفیر کی بو آتی ہے<sup>۱</sup> (مغفیر کے پھولوں سے شہد کی کھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری: **يا ايها الذين لم تحرم ما احل الله لك تبتغي مرضات ازواجك** "اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔"

کبھی کبھی (حضرت حفصہ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک و رقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بیٹھیں دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہ بیٹھنے کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہ بیٹھنے نے حضرت عائشہ بیٹھنے سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہ بیٹھنے راضی ہو گئیں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ بیٹھنے کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ بیٹھنے سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ بیٹھنے نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں، "خداوند کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"<sup>۲</sup>



۱۔ مغفیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغفیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرنٹلی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ ۲۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۔ صحیح بخاری (دوسرے النبی جلد دوم)

## (۵) حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا، سلسلہ نسب یہ ہے:

زینب بنت خزیمہ بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصہ۔  
چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لیے ام  
المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبد اللہ ابن جحش کے  
نکاح میں تھیں۔

عبد اللہ بن جحش نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال  
ان سے نکاح کر لیا۔

نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین ماہ رہنے پائی تھیں کہ ان کا  
انتقال ہو گیا، آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہ بنت جحش کے بعد صرف یہی بی بی  
تھیں جنہوں نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع  
میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔





## (۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ہند نام ام سلمہ کنیت قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:  
ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ کا بنو فراس  
سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن  
علقمہ بن جذل بن الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابو امیہ (حضرت ام سلمہ کے والد) کے مشہور مخیر اور فیاض تھے سفر میں جاتے تو تمام  
قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت  
ام سلمہ نے ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔

نکاح:

عبد اللہ بن عبد الاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ام سلمہ  
کے چچا زاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا۔

اسلام:

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرت حبشہ:

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے  
مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ  
اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ہجرت مدینہ:

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی اس لیے حضرت ابوسلمہ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں (ابو سلمہ کو بھی خاندان والے حضرت ام سلمہ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لیے ام سلمہ کو اور بھی تکلیف تھی چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور اٹح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ ۷۔۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن اٹح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روکتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو" روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔

چونکہ بالکل تنہا تھیں یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، عجم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی، بولا "کدھر کا قصد ہے؟" کہا: "مدینہ کا" پوچھا: "کوئی ساتھ بھی ہے؟" جواب میں بولیں: "خدا اور یہ بچہ" عثمان نے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کھادہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبای کی آبادی نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس پہلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہو گئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔

قبائلیوں نے ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تھا سڑ کرنے پر تھی) شرفا کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں (اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش تھیں) لیکن جب کچھ

لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے اس لیے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں!

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور نکاح ثانی اور خانگی حالات:

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہسوار تھے بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے، جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۳ھ میں ان کا زخم پھینا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرا مچا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں ”ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی“۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر“۔ اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت ﷺ نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے، وفات کے وقت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں، اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں: ❶ میں سخت غیور عورت ہوں۔ ❷ صاحب عیال ہوں ❸ میرا سن زیادہ ہے، آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا

ہوسکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو! شوال کی ۳۲ کی اخیر کی تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی، حضرت ام سلمہ کو ابوسلمہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کر دیا، سن ابن ماجہ میں ہے:

فلما توفي ابوسلمة ذكرت الذي كان حدثني فقلت فلما اردت ان اقول اللهم عضي خيرا منه قلت في نفسي اعاض خيرا من ابى سلمة ثم قلتها فعاضني الله محمد صلى الله عليه وسلمه.

”جب ابوسلمہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند! مجھے ابوسلمہ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا بکیہ جس میں خرے کی چھال بھری تھی عطا فرمایا، یہی سامان اور بیویوں کو بھی عطا ہوا تھا۔

بہت حیا دار تھیں، ابتداءً جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ بیٹھ فرط فیرت سے لڑکی (نسب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے، حضرت عمار بن یاسر کو جو حضرت ام سلمہ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں، وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا، ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے:

خونت حزننا شدیداً۔ ”یعنی مجھ کو سخت غم ہوا۔“

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو (سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صفیہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں دوسرے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لیے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں اس بنا پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجا چاہیے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ شکایت کی تو آپ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا تیسری مرتبہ کہا: ”ام سلمہ! عائشہ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ“ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو۔“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یارسول اللہ“ میں آپ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہر میں آنحضرت ﷺ شب بائیں ہوتے تو ان کا بچھوٹا حضور ﷺ کی جانب نماز کے سامنے بچھتا تھا آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔“

آنحضرت کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں دراصل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔“

۱۔ مسند ج ۸ ص ۲۳۱ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۳۔

۳ مسند ج ۶ ص ۳۲۲۔ ۴ ایضاً ص ۳۱۶۔

## عام حالات:

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں: غزوہ خندق میں اگرچہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینہ مبارک غبار سے انا ہوا تھا، اور آپ لوگوں کو ایشیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتاً عمار بن یاسر پر نظر پڑی فرمایا: ”(افسوس) ابن سبیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا“۔

محاصرہ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابولبابہؓ نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ تم قتل کیے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادام ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی، آنحضرت ﷺ ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں: ”خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟“ فرمایا: ”ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی“۔ عرض کی ”تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنا دوں“ فرمایا: ”ہاں اگر چاہو“ حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں اور پکار کہا: ”ابولبابہ! مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی“۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ اٹھ آیا۔

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی ﷺ کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”ان سے پردہ کرو“ بولیں: ”وہ تو نابینا ہیں“ فرمایا: ”تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو

انہیں دیکھتی ہو“!۱

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لیے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے کہا ”آپ کسی سے کچھ نہ فرمائی بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور حرم اتارنے کے لیے بال منڈوائیں“ آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔۲

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔۳

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔۴

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا: ۵

۱۔ مسند ج ۶ ص ۲۹۶۔ ۲۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰۔ ۳۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲۔

۴۔ استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳۔ ۵۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳۰۔

عجباً لک یا ابن الخطاب دخلت فی کل شئی حتی تبغی ان تدخل  
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازواجه.

”عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی  
ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔“

چونکہ جواب نہایت خشک تھا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے  
آئے رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت  
ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا اگرچہ ام سلمہ علیہا السلام تھیں، تاہم ساتھ آئیں، نہان  
(غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس  
اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا  
ہے۔ طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا،  
چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔

اللہ میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض الموت نے طول کھینچا تو  
آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر  
آپ کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں، ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا چیخ  
اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں، ایک دن مرض میں اشتداد  
ہوا تو ازواج نے دوا پلانا چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، لیکن جب غشی  
طاری ہو گئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت عمیس نے دوا پلا دی، (بعض روایتوں  
میں ہے کہ ان دونوں نے مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام  
حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حبشہ سے ہو آئی تھیں، وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک

۱۔ مسند ج ۶ ص ۳۰۸ و ۲۸۹۔ ۲۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹ و ۲۲۰۔ ۳۔ طبقات ج ۲ ص ۱۳۔

۴۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۱ و طبقات ج ۲ ص ۳۲۔



گر بے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں قیامت کے روز عزوجل کی نگاہ میں لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں تین باتیں کی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں، لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔

۱۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں، نہایت پریشان ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) کیا حال ہے، ارشاد ہوا: ”حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل سے واپس آ رہا ہوں“۔ حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسین کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے اور حسین کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔

۱۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا، جہاں ابن زبیرؓ پناہ گزین تھے چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا، بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص، مکہ میں پناہ لے گا، اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا، بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہؓ سے پوچھا گیا جو لوگ جبراً شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں، لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق انھیں گے (حضرت ابو جعفرؓ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینے کے میدان میں پیش آئے گا۔

وفات:

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۱۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا، اس وقت ۸۳ برس کا سن تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ ۲۔ طبقات ج ۲ ص ۳۰۔ ۳۔ صحیح ترمذی ص ۲۲۳۔

۴۔ مسند ج ۶ ص ۲۹۸۔ ۵۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۳، ۳۹۴۔ ۶۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶۔

اس زمانہ میں ولید بن عقبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا چونکہ حضرت ام سلمہ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لیے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا۔

اولاد:

حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں:

سلمہ حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمر، آنحضرت ﷺ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح ان ہی نے کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ، ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہ نے جو کہ ازوان مطہرات رضی اللہ عنہما میں داخل تھیں، آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر ہم نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔

نسبہ۔ پہلے برہ نام تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے نسبہ رکھا۔

حلیہ:

اصابہ میں ہے:

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع.

"یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نہایت حسین تھیں۔"

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کو ان کے حسن کا معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقعہ کی یہ روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے بال نہایت گھنے تھے۔

طبرانی کبیر ج ۳ ص ۲۲۳۳۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۳۔ ح زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲۔

(ابن سعد ج ۸ ص ۶۶) ح ۵ مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔

## فضل وکمال:

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ بی بیہ اور حضرت ام سلمہؓ بی بیہ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں: بل  
کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی صلی  
اللہ علیہ وسلم کثیراً ولا مثلاً العائشۃ و ام سلمۃ.  
”آنحضرت ﷺ کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان  
میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا:

کیف نسل احداً و فینا ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

”آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے  
دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے، تاہم کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فیض پر سر بر تھا۔  
قرآن اچھا پڑھیں اور آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی  
نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ  
پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے ۳۷۹ روایتیں  
مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ  
خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایہا الناس (لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً  
بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔  
مجتہد تھیں، صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶۔ ۲ مسند ج ۶ ص ۳۱۷۔

۳ ایضاً ص ۳۱۲۔ ۴ ایضاً ص ۳۰۰، ۳۰۲۔ ۵ ایضاً ص ۳۰۱۔

صاحب العقل البالغ والرائے الصائب۔  
 ”یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھے۔“

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقتِ رسی اور نکتہ سنجی کا کاشمہ ہے۔ ان کی نکتہ سنجی پر واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عمر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ بیسیبی کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدی بھیجا انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ حضرت ام سلمہ کے پاس آدی بھیجا گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں:

يغفر الله لعائشة لقد وضعت امر علي غير موضعه<sup>٤</sup> اولم اخبرها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد نهى عنهما<sup>٥</sup>

”یعنی خدا عائشہ بیسیبی کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہیے ورنہ ٹوٹ جاتا ہے ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے حضرت ابو ہریرہ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباس نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ بیسیبی کو زیادہ علم ہے۔<sup>٥</sup> (اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔)

٤ اساجد ٨ ص ٢٣١ ج امام الواقفين ج ١ ص ١٣ ج مسند احمد ج ٦ ص ٢٩٩۔ یہ واقعہ صحیح بخاری

میں بھی ہے ج ٢ ص ٢٣٩ ج مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٣

٥ مسند احمد ج ٦ ص ٣٠٤، ٣٠٦ ج ایضاً ص ٣٠٦

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجیے، فرمایا: ”آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔“

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے، ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا، وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آ کر حضرت ام سلمہؓ بنیں، کو یہ خبر سنائی تو بولیں:

نعم و اشفیک! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔“

حضرت ام سلمہؓ بنیں، کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا، اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی، حضرت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: ”خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہیں میں ہوں؟“ حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔“

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے، ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، اسامہ بن زیدؓ، ہند بنت الحارث القرظیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمرؓ، زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعب بن عبداللہ (برادر زادہ)، بنہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع، نافع، شعبہ، پسر شعبہ، ابوبکرؓ، خیرہ والدہ حسن بصری، سلمان بن یسار، ابو عثمانؓ انہدی، حمید، ابوسلمہ، سعید بن میتب، ابووائل، صفیہ بنت محسن، شعبی، عبدالرحمن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیرؓ

کریب مولیٰ ابن عباسؓ، قبیصہ بن ذویبؓ، نافع مولیٰ ابن عمرؓ، علی بن مملک۔  
اخلاق و عادات:

حضرت ام سلمہؓ کی نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، آنحضرت ﷺ نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔ ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔ ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں اس بنا پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“۔<sup>۱</sup>

اتھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں، آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ کو بلا کر کھل اڑھایا اور کہا: ”خدا یا یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر“۔ حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ (ﷺ) میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے، آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا: ”ترب و جھک اللہ!“ یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت

۱۔ مسند احمد ۶ ص ۳۲۲، ۱۳۵۔ ۲۔ ایضاً ص ۲۸۹۔ ۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹۸۔

۴۔ صحیح ترمذی ص ۵۳۰۔ ۵۔ مسند ج ۶ ص ۲۸۹۔ ۶۔ ایضاً ج ۶ ص ۳۰۱۔

عبدالرحمان بن عوف نے آ کر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کر دے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے یا

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاج سے سوال کیا، ام الحسن بیٹی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا ان کو کچھ دے کر رخصت کر دے، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبر کا رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں،<sup>۲</sup> آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات.

مناقب:

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: ”ان کو جانتی ہو؟“ بولی دجیہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبریل تھے،<sup>۳</sup> (غالباً نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے)۔



۱۔ مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۰۔ ۲۔ استیعاب ج ۲ ص ۸۰۲۔ ۳۔ مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶

۴۔ ایضاً ص ۳۰۱۔ ۵۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ مطبوعہ مصر

## (۷) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

زینب نام ام الحکیم کنیت قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے زینب بنت جحش بن رباب بن یمر بن صبرہ بن مرة بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ، والد کا نام امینہ تھا جو عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب بنی سیدنا آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام:

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں اسد الغابہ میں ہے:  
كانت قديمة الاسلام! "قديم اسلام سے تھیں۔"

نکاح:

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور مہتمنی تھے ان کا نکاح کر دیا، اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے، قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تو لیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا، اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے، اس بنا پر اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے تاہم چونکہ وہ مسلمان اور مرد صالح تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ حضرت زینب بنی سیدنا کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔  
تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں



مذکور ہے اور وہ یہ ہے:

نزوجھا العیلمھا کتاب اللہ وسنة رسولہ۔<sup>۱</sup>

”یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح زیدؓ سے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔“

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا، لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی، حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت ﷺ میں شکایت کی<sup>۲</sup> اور طلاق دے دینا چاہی۔

جاء زید بن حارثہ فقال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان زینب اشتد علی لسانہا وانا رید ان اطلقہا۔

”زید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہے اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔“

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک

زوجک واتق اللہ﴾ (احزاب: ۵)

”اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا، یہ کہتے تھے

کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو۔“

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے

دی حضرت زینبؓ بیٹنہ آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں

آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف

شان تھا (چونکہ زیدؓ غلام رہ چکے تھے) اس لیے حضرت زینبؓ بیٹنہ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی

بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا

لیکن عرب میں اس وقت تک تمہنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے عام لوگوں

کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے، لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا منانا

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۶۳۔ ۲۔ صحیح ترمذی ص ۵۳۱۔ ۳۔ فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳۔ تفسیر سورہ احزاب۔

مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

وتخفى فى نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشاه.

”اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم

لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔“ (احزاب: ۵)

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آنا گوندھنے میں مصروف تھیں چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا ”زینبؓ! رسول کریم ﷺ کا پیغام لایا ہوں“ جواب ملا: ”میں بغیر استخارہ کیے کوئی رائے قائم نہیں کرتی“ یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی:

فلما قضى زيد منها وطرا زوجنا معها، اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی، سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں مالیدہ بھیجا تھا۔ غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کو لوگوں کو بلانے کے لیے بھیجا۔ ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے۔ کھانے کے وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کر دی تھیں باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس جاتے تھے۔

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول کریم ﷺ کو تکلیف ہوئی رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کو جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی:

﴿يا ايها الذين امنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم الى طعام غير نظرين انه ولكن اذ ادعيتم فادخلوا فاذا طعمتم فانشروا ولا مستانسين لحديث ان ذالكم كان يؤذى النبي فيستحى منكم والله لا يستحى من الحق واذا سالتموهن متاعا فسلوهن من وراء حجاب﴾

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو؛ مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ ہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو؛ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے؛ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔“ (احزاب: ۷)

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی یہ ذوالقعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ مہنتی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد غلام کی تیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر حضرت زینب اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں!

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو یہ بیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتیں ہیں:

هِيَ النَّبِيُّ كَانَتْ تَسَامِينِي مِنْهُنَّ فِي الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ.

”ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔“

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس آئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لا جواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہ ہو ابو بکر کی بیٹی ہے“!

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

اسرعنك لحاقابی اطولكن یداً. ”تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا“  
یہ استعارہ فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا، انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، چنانچہ اسامہ بن زید، محمد بن عبد اللہ بن حش، عبد اللہ بن ابی احمد بن حش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔  
حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا

ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے، عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا، جس کو ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی ﷺ میں شامل کر دیا گیا۔  
حلیہ:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزوں اندام تھیں۔

### فضل و کمال:

روایتیں کم کرتی تھیں، کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں حضرت ام حبیبہ، زینب بنت ابی سلمہ، محمد بن عبد اللہ بن جحش (برادر زادہ)، کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔

### اخلاق:

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:

كانت زينب صالحة صوامه قوامه۔

”یعنی حضرت زینب نیک خوروزہ دار و نماز گزار تھیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم اراء عطاء قط خير في الدين من زينب واتقى الله واصدق حديثا  
واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتداء لنفسها في العمل الذي  
تصدق به وتقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع  
منها الفينة۔

”میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست باز

۱۔ طبری ص ۲۲۳۹ ج ۱۳۔ ۲۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳۔ ۳۔ زرقانی بحوالہ ابن سعد۔

۴۔ مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہ)۔

گنتار زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اہتمام لگایا گیا اور اس اہتمام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمزہ بھی شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا: ما علم الا خیرا۔ ”مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق و قرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ معروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا آپ ﷺ نے فرمایا ان سے درگزر کرو یہ آواہ ہیں! (یعنی خاشع و متضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے! ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور قریبیوں کو تقسیم کر دو بزرہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدا یا اس سال کے بعد عمر جوڑنے کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔



## (۸) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

جویریہ نام قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:  
جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائد بن مالک بن جذیمہ  
(مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عمرو مزنیقیاء۔

حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان مصطلق کے سردار تھے یا

نکاح:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوہ مریسبع اور نکاح ثانی:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ اور شوہر مسافع دونوں اسلام دشمن تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لیے بریدہ بن حبیب اسلمی کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ شعبان ۵ھ کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسبع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے سے پہنچ چکی تھیں، اس لیے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسبع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعہ ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے، ۱۱ آدمی مارے گئے

اور باقی گرفتار ہو گئے، جن کی تعداد ۶۰۰ سو تھی، غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو، ثابت نے ۱۹ اوقیہ سونے پر منظور کیا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت شیریں ادا تھیں۔ میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔“ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں، آپ نے تہاؤہ رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح کن بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: ”میری بیٹی کثیر نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں، آپ اس کو آزاد کریں، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ رضی اللہ عنہا مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جا کر جویریہ رضی اللہ عنہا سے کہا محمد نے تیری مرضی پر رکھا ہے دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انہوں نے کہا: ”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔“ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔



ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زرفد یہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔  
حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام امیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے دفعہ رہا کر دیئے گئے فوج نے کہا جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔  
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا، ان کے سب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔

حضرت جویریہؓ بنی سنیہ کا نام برہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بد فالی تھی۔  
**وفات:**

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا، مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔  
**حلیہ:**

حضرت جویریہؓ بنی سنیہ خوبصورت اور موزوں اندام تھیں، حضرت عائشہؓ بنی سنیہ کہتی ہیں:  
كانت امرأة حلوة ملاحه لا يراها احدا الا اخذت بنفسه.

**فضل وکمال:**

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے، ابن عباسؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، عبید بن السباقؓ، طفیلؓ، ابویوبؓ، مراغیؓ، کلثومؓ، ابن مصطلقؓ، عبد اللہ بن شداد بن الہاد، کریب۔

۱۔ ابن سعد ج ۸ ص ۸۴۔ ۲۔ ابوداؤد کتاب العقاق ج ۲ ص ۱۰۵ طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۳۶ صحیح مسلم ص ۶۱۔

۳۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۲۰۔ ۴۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۳۱۔ ۵۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۲۰۔

## اخلاق:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زندگانہ زندگی بسر کرتی تھیں، ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں، حضرت جویریہ سے دریافت کیا کہ کل روزہ ہے تھیں؟ بولیں ”نہیں“ فرمایا: ”تو کل رکھو گی؟“ جواب ملا: ”نہیں“ ارشاد ہوا: ”تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیے“ ۱۱

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ہرمینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک جمعہ کا ضرور ہوتا تھا۔ اس لیے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے، ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک سے بھی جواز کی روایت ہے، بعض شافعیہ نے اس سے روکا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۰۴، امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لیا جائے (بذل المحمود جلد ۳ صفحہ ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے ایک مرتبہ آ کر پوچھا کہ ”کچھ کھانے کو ہے؟“ جواب ملا: ”میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا، وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں“ فرمایا اسے اٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ چکا ۱۲



## (۹) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے:

رملہ بنت ابی سفیان صحر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۷ سال پہلے پیدا ہوئیں!

نکاح:

عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے نکاح ہوا۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور جحش کو ہجرت کی، حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مے نوشی کی عادت ہو گئی، آخر ان کا انتقال ہو گیا۔

نکاح ثانی:

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی

۱۔ اصابع ج ۸ ص ۸۳۔ ۲ (ایضاً)۔

۳ زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد۔

لوغڈی ابرہہ کے ذریعہ پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۶ یا ۷ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کی نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق، البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا، اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔ اس موقع پر ہم صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرتا ہے۔

صحیح مسلم ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہ (حبیبہ) سے شادی کر لیجئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔

لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبد العظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

۱۔ مسند ۶ ص ۳۲۷ (تاریخ طبری واقعات ۶ھ)

صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱۔

وفات:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی (حضرت علی بن حسین) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ ”یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے“ چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا!

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سو کنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی ہو جایا کرتا تھا، اس لیے مجھ کو معاف کر دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔<sup>۲</sup>

اولاد:

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے، عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی، اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں، جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔  
حلیہ:

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے: <sup>۳</sup>

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبہ.

”میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے۔“

فضل وکمال:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں (۵۶) روایتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بعض کے نام یہ ہیں، حبیبہ (دختر) معاویہؓ اور عقبہؓ پسران

۱۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۔ ۲۔ اصابہ جلد ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جزء ۱ ص ۷۱) ۳۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۱۔

ابوسفیانؓ، عبداللہ بن عقبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خوابر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، نسیب بنت ابوسلمہ، عروہ بن زبیرؓ، ابوصالح السمان، شہر بن حوشب۔  
اخلاق:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آنحضرت ﷺ کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں، ابوسفیان نے کہا تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی!

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستوکھا کر کھلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے! یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور ﷺ نے اس کو باقی نہیں رکھا، حضور ﷺ اور صحابہ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے، البتہ شوہر کے لیے ۳ مہینہ، ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے!ؓ

۱! اصابت ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد۔ ح منہج ۲ ص ۲۲۶۔

۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۰۳۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا فرماتی ہیں: ”فما برحت اصلبھن بعد!“ میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عقبہ اور عقبہ کے شاگرد عمرو ابن ادریس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم اپنے اپنے زمانہ میں برابر نمازیں پڑھتے تھے۔ فطرۃ نیک مزاج تھیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ ﷺ نکاح کر لیجئے فرمایا: ”کیا تمہیں پسند ہے۔“ بولیں: ”ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں اس لیے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو“<sup>۲</sup>



۱۔ مسند ج ۶ ص ۳۲۷ ۲۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳ (باب وامہاتکم اللانی ارضعنکم و یحرم

من الرضاۃ ما یحرم من النسب)

## (۱۰) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

میمونہ نام قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بکھر بن ہزم بن روبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلمان بن معز والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام و نسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حنظلہ بن جرش۔

نکاح:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی پھر ابوہریرہ بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں اور ہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے تھے اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے متولی ہوئے تھے آنحضرت ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستہ پر مکہ سے ۱۰ میل ہے قیام فرمایا اور اہل بیت (آنحضرت ﷺ کے غلام) حضرت میمونہ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی۔ یہ آنحضرت ﷺ کا آخری نکاح تھا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخری بیوی تھیں۔

زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳۔ ع بخاری ص ۶۱۱ ج ۲۔ ع نسائی ص ۵۱۳ ج ۵۔ تہذیب ص ۳۵۲ ج ۱۲۔

ی ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱۔ ذیل المدخل طبری ج ۱۳ ص ۳۵۲۔



وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا صحابہ میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ”یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو؛ بابت آہستہ لے چلو“۔

سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر اگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا اعم عمار میرے کنگھا کرتی تھیں (اور آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے؟

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابن عباس، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمن بن السائب، یزید بن اعم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبید اللہ الخولانی (ربیب تھے) مذہبہ (کنیز تھیں) عطاء ابن یسار سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریم (ابن عباس کے غلام) عبید بن سباق، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبح۔

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ و مسند ابن ضبل ج ۶ ص ۳۳۳۔

۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸۔ ۳ مسند ج ۶ ص ۳۳۱۔

## اخلاق:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

انہا كانت اتقانا الله و اوصلنا للرحم.

”میں نے اللہ سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں۔“

احکام نبوی ﷺ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی ایک دفعہ ان کی کنبہ بدیہ ابن عباس کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (بیوی کے ایام کے زمانہ میں) اپنا بستران سے الگ کر لیتے ہیں۔ آ کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو بولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے؟

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی تھی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع تھیں جب رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہ کے پاس آئی تو وہ بولیں تم یہیں رہو اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا شوق تھا ایک لوٹھی کو آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے)۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا: کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا: ”آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے۔“

۱۔ اسباب ج ۸ ص ۱۹۲ بحوالہ ابن سعد۔

۲۔ مستدرک ج ۶ ص ۳۳۲۔ ج ایضاً ۳۳۳۔

۳۔ ج ایضاً ص ۳۳۲۔ ج ایضاً۔

## (۱۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

اصلی نام زینب تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہ بڑھئیہ کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حسی ابن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں جس کا نام ضرہ تھا، سوال رئیس قرظہ کی بیٹی تھی۔ اور یہ دونوں خاندان (قرظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہ بڑھئیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق تو کنا نہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنا نہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ بڑھئیہ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دجیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انہوں نے حضرت صفیہ بڑھئیہ کو منتخب کیا۔

لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ نے رئیس بنو نضیر و قرظہ کو دجیہ کو دے دیا، وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیس عرب کے ساتھ عام عورتوں کو ساربتاد مناسب نہیں، چنانچہ حضرت دجیہ بڑھئیہ کو آپ نے دوسری

لوٹتی عنایت فرمائی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عربی ادا کی گئی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل ہو گئیں۔

عام حالات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے حد مدد کی تھی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، ملام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا، وہ ان کے مکان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

فات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ٹمٹ کے لیے اپنے بودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں۔

صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ما یذکر کتاب الصلوٰۃ

(اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶) ۳ (طبقات ج ۸ جزء ۱ ص ۸۶)۔

اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد۔ ۵ ذرقانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

حلیہ:

کو تاہ قامت اور حسین تھیں!

فضل و کمال:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں مروی ہیں، جن کو حضرت زین العابدینؓ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن مقب و غیرہ نے روایت کیا ہے۔ دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہ بنت جفرج کر کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئیں تھیں، صہیرہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے، ایک فتویٰ نیز کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں!

اخلاق:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے: **كانت عاقلة من عقلاء النساء. "وہ نہایت عاقلہ تھیں۔"**

زر قانی میں ہے:

كانت صفیة عاقلة حلیمة فاضلة.

”یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا عاقل، فاضل اور حلیمہ تھیں۔“

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

۱۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۲۸۔ ۲۔ مندج ۶ ص ۳۷۷۔

۳۔ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۹۰۔ ۴۔ زر قانی جلد ۳ ص ۲۹۶۔

لیکن ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہودیہ کہا، ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کینز تھی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی ضرورت نہیں، اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش و اقارب ہیں اس کے بعد لوٹنے کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی: ”ہاں مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا“۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور اس لوٹنے کو آزاد کر دیا!

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ”کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی“۔ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں۔ (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)۔

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ سوہ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔ انہوں نے کہا، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو

۱۔ اسباب ج ۸ ص ۱۲۷۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)۔ ج ذرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد۔

۲۔ اسباب ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد (ذرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے۔<sup>۱</sup> (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہ بinti ہاشم کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ: ”عائشہ اور حفصہ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔

سفر حج میں حضرت صفیہ بinti ہاشم کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں آپ نے ردا اور دست مبارک سے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔<sup>۲</sup> حضرت صفیہ بinti ہاشم سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں چنانچہ جب امیر المؤمنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ بinti ہاشم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سونے کی بالیاں تقسیم کیں۔<sup>۳</sup>

کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس تھنہ بھیجا کرتی تھیں حضرت عائشہ بinti ہاشم کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔



۱ ابوداؤد زوج ۲ ص ۱۹۳۔ ۲ صحیح ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی ﷺ۔

۳ زرقاتی ج ۳ ص ۲۹۶۔ ۴ زرقاتی ج ۳ ص ۲۹۶۔

## (۱۲) حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

نکاح:

ابوالعاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی سسرال میں تھیں۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے!

ابوالعاص نے مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا کیونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا اس لیے کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لیے تھے۔ مقام ذی طوی میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا ہمار بن اسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ سے زمین پر گرا دیا وہ حاملہ تھیں حمل ساقط ہو گیا کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ: ”اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہوگا۔“ لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا: ”تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے۔“



اسلامی مکتبہ خانہ

فضیل الہی سٹریٹ، ہریک انڈیا پورہ، لاہور

Ph: 7223506-7230718

انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے ابوسنیان نے کہا: ”محمد (ﷺ) کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم علانیہ لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ ہم کو زینب کو روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا“ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینب بیٹیہ کو لے کر مکہ واپس آئے چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے زید بن حارثہ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ وہ یمن یا حج میں تھے۔ کنانہ نے زینب بیٹیہ کو ان کے حوالے کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت زینب بیٹیہ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ جمادی الاول ۱۹ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو ۱۷ سواروں کے ساتھ بھیجا مقام عیس میں قافلہ ملا کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا۔ ان ہی میں ابوالعاص بھی تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینب بیٹیہ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کرا دیا۔

ابوالعاص نے مکہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے حضرت زینب بیٹیہ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب بیٹیہ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس بیٹیہ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا اسی لیے حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا اور نہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔  
ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ  
نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی!ؑ

### وفات:

نکاح جدید کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت کم زندہ رہیں اور ۸۷ھ میں انہوں  
نے انتقال کیا۔ حضرت ام امینؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ نے غسل دیا  
جس کا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، خود  
قبر میں اترے اور اپنے نور دیدہ کو خاک کے سپرد کیا، اس وقت چہرہ مبارک پر حزن و ملال  
کے آثار نمایاں تھے!ؑ

### اولاد:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دو اولادیں چھوڑی، علی اور امامہؓ، علی کی نسبت ایک  
روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی، لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے ابن عساکر  
نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی، فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے  
ردیف تھے، امامہ رضی اللہ عنہا عرصہ تک زندہ رہیں، ان کا حال آگے آئے گا۔

### اخلاق و عادات:

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو  
ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔ؑ



۱ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۔ ۲ طبقات ج ۸ ص ۲۳ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۷ صحیح مسلم ج ۱ ص

۳۳۶ واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۶۸۔ ۳ طبقات ج ۸ ص ۲۲۔

## (۱۳) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا<sup>۲</sup>

نام و نسب:

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو ۳۳ قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح:

پہلے ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی، یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔

اسلام:

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: ”اگر محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔“ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔

عام حالات:

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں، جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی، چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ ”میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے دعادی اور فرمایا کہ ”ابراہیم رضی اللہ عنہ اور لوط رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو

لے کر ہجرت کی ہے۔“

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جہاں انہوں نے حضرت حسانؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے گھر قیام کیا۔

وفات:

۲۲ھ غزوہ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا۔ عین اسی دن جس دن زید بن حارثہ نے مدینہ میں آ کر فوج کا مژدہ سنایا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ”عثمان بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ“۔ اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا لے کر مارنے کے لیے اٹھے آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ”رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و مین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہیے۔“

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

اولاد:

حبش کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ اسی کے نام پر تھی، چھ سال تک زندہ رہا، ایک مرتبہ ایک مرغ

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۵۷۔

۲۔ بخاری ج ۱ ص ۳۴۲۔

نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا، یہ جمادی الاول ۴ھ کا واقعہ ہے  
عبداللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ:

حضرت رقیہؓ خوبرو اور موزوں اندام تھیں، زرقانی میں ہے: ۱۔

كانت بارعة الجمال.

”وہ نہایت جمیل تھیں“۔



## (۱۴) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

یہ تیسری صاحبزادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح:

۳ھ میں جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا، بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا، لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور حضرت عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں، تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں۔“ بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۶ برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

وفات:

شعبان ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتار دیا۔

اولاد:

کوئی اولاد نہیں ہے۔

## (۱۵) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

فاطمہ نام زہرا لقب تھا، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے کم سن تھیں، سنہ ولادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ ۱۔ بعثت میں پیدا ہوئیں ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آپ کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ۱۔ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں، بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

زکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ۱۔ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو ذی الحجہ ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرات کی، ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا



کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہارِ رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے: کچھ نہیں، آپ نے فرمایا اور وہ حطیہ زرہ کیا ہوئی؟ (جگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو ۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھینز کی کھال اور ایک سیدہ یعنی چادر تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ ہی کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حارث بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ان مکانوں سے کوئی مکان دلوادیتیے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارث نے سنا تو دوڑے آئے کہا حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے، خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، عرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا بسیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن میں پانی لیا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی پھیرا، حضرت فاطمہؓ کو باپا وہ شرم سے لڑکھرائی آئیں، ان پر بھی پانی پھیرا اور فرمایا میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے!

پہلا نمبر: سنی بخاری ج ۲ ص ۵۵، طبقات ابن سعد ج ۱، زکاتی ج ۱، اسما ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

## داغ بے پردی:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی کہ جناب رسالت پناہ ﷺ نے رحلت فرمائی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں اس لیے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا۔ وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا بھیجا، تشریف لائیں تو ان سے کان میں کچھ باتیں کیں، وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کان میں کہا، تو ہنس پڑیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو کہا، ”پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملو گی، تو ہنسنے لگی،“ ۱

وفات سے پہلے جب بار بار آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں واکسرب اباء، ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا،“ ۲ آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی، اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ”جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا،“ ۳ بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نعل مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ”کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟“ ۴

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، ازواج مطہراتؓ، یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ کی خالہ جائیداد تھی اور اس میں قانون وراثت جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جو متروک چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اور اس میں

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۳۸ - ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۴۱ -

۲ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۳ - ۳ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۴۱) -

وراخت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیونکر تقسیم کر سکتا ہوں! البتہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہؓ بیٹیؓ کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی۔<sup>۱</sup> (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں تھیں۔<sup>۲</sup>)

### وفات:

آنحضرت ﷺ کے انتقال کو ۶ ماہ گزر تھے کہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی کہ ”میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی“ پوری ہوئی، یہ منگل کا دن اور رمضان کی تیسری تاریخ تھی، اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ۲۳ سال، ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹) زیادہ صحیح ہے، اگر ۳۱ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا، البتہ اگر ۲۳ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ بیٹیؓ کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی، عورتوں کے جنازہ پر آج کل جو پردہ لگانے کا دستور ہے، اس کی ابتدا ان ہی سے ہوئی، اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی حیا و شرم تھی، اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں، اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول! میں نے جہش میں ایک طریقہ دیکھا ہے۔ آپ کہیں تو اس کو پیش کروں، یہ کہہ کر خرے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان کا کپڑا اتانا جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی، حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ

۱۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۵۲۶، ج ۲ ص ۶۰۹۔ ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷۔

یہ بہترین طریقہ ہے، حضرت فاطمہؑ کے بعد حضرت زینبؑ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔  
 حضرت فاطمہؑ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؑ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں، ابن زبالب نے یہی لکھا ہے اور مورخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔ مورخ موصوف نے ۳۳۲ھ میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا، جس میں لکھا تھا کہ ”یہ فاطمہ زہرا کی قبر ہے“<sup>۱</sup> لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔<sup>۲</sup>  
 ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں، اس پر ابن ابی شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی ضرورت تھی؟ لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ سلمی کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں، وہیں انتقال کیا، اور وہیں ان کو غسل دیا گیا۔ پھر حضرت علیؑ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا،<sup>۳</sup> آج فاطمہؑ کی قبر متفقہ طور پر عقیل ہی میں سمجھی جاتی ہے، چنانچہ محمد لیبب بک تبونی نے جو ۱۳۲۷ھ میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہرکاب تھے، اپنے سفر نامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔<sup>۴</sup>

اولاد:

حضرت فاطمہؑ کے پانچ اولادیں ہوئیں، حسنؑ، حسینؑ، محسنؑ، ام کلثومؑ، زینبؑ۔ محسنؑ نے بچپن ہی میں انتقال کیا، حضرت زینبؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ اور ام کلثومؑ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں، آنحضرت ﷺ کو ان سب سے نہایت محبت تھی، اور حضرت علیؑ اور فاطمہؑ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔  
 آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں صرف فاطمہؑ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی۔

۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۳۔ ۲ خلاصۃ الوفا ص ۲۱۷۔

۳ طبقات ج ۸ ص ۲۰۔ ۴ ایضاً ص ۱۸۔ ۵ الرحلۃ الحجابیہ۔

حلیہ:

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارک جناب رسالت پناہ ﷺ سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو لب و لہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا اور رفتار بھی بالکل آنحضرت ﷺ کی رفتار تھی۔  
فضل و کمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کتب حدیث میں ۱۸ حدیثیں منقول ہیں۔ جن کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ نے ان سے روایت کیا ہے، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت حسین، حضرت حسن، حضرت عائشہ، حضرت ام کلثوم، حضرت سلمیٰ، ام رافع اور حضرت انس بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ: کسی سفر میں گئے تھے، واپس آئے تو حضرت فاطمہ نے قربانی کا گوشت پیش کیا، ان کو عذر ہوا۔ حضرت فاطمہ نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دے دی ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے ہاں گوشت تناول فرما رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، آنحضرت ﷺ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ کی بجائے ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لیے حضرت فاطمہ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے ارشاد ہوا۔ نبی وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر توپکتے ہیں۔  
فضل و کمال:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت کی محبوب ترین اولاد تھیں، آپ نے ارشاد فرمایا:  
فاطمۃ بضعة منی فمن اغضبها فقد اغضبنی ۵  
”فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔“

صحیح ترمذی ص ۶۳۶ - صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۰ - صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۸۲

البیہاق ص ۲۸۳ - ۵ اساطیر ص ۸۷ - ۱۵۷

ابو جہل کی لڑکی کو حضرت علیؑ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا، بارگاہ نبوت میں اطلاع ہوئی تو حضور ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنی ہشام بن مغیرة استاذنونی فی ان یکنحوا ابتہم علی بن ابی طالب  
فلا اذن ثم لا اذن ثم لا اذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق انبئی وینکح  
ابتہم فانما ہی بضعة منی یربئی ما رابہا ویوذینی ما اذاہا.

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ان فاطمة منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینہا ثم ذکر صہراما من بنی  
عبد شمس فائنی علیہ فی مصاہرتہ ایاء قال حدثنی فصدقنی وعدنی  
فوفی لی وانی لسبت احرم حلالا ولا احل حراما ولكن واللہ الا تجتمع  
بنت رسول اللہ و بنت عدو اللہ ابدا. (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۳۸)

”آل ہشام علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت  
مانگتے ہیں لیکن میں اجازت نہ دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری  
بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ  
ہے، جس نے اس کو اذیت دی مجھ کو اذیت دی۔“

(اس کے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو داماد تھے ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے  
جو بات کہی اس کو بچ کر کے دکھلایا اور جو وعدہ کیا وفا کیا، اور میں حلال کو حرام  
اور حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا۔ لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن  
خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔“

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ ہجیرہؓ کی حیات تک حضرت علیؑ ہی اللہ نے دوسری  
شادی نہیں۔ حضرت فاطمہ ہجیرہؓ کا شہ - آنحضرت ﷺ نے ان مقدس خواتین میں فرمایا  
ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

کفاک من نساء العالمین مریم بنت عمران و خدیجة بنت خویلد  
و فاطمہ بنت محمد و اسیہ امراة فرعون. (ترمذی کتاب النکاح)

”تمہاری تہلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم، خدیجہ، فاطمہ اور آسیہؑ کافی ہیں۔“

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول (ﷺ) کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیے۔

سیدہ عالم کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے، لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لوٹھی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پورا! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں!

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھاکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ ہو جاتا ہے۔

یوں کی ہے اہل بیت مطہرہ نے زندگی یہ ماجرائے دختر خیر الاتامؑ تھا (شبلی) صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے ان کو سونے کا ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ”کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے کھلوانا چاہتی ہو کہ ”رسول اللہ (ﷺ) کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔“ حضرت فاطمہؑ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؑ نے بطور خیر مقدم کے گھر

کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے ننگن پہنائے آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے ننگن نکال ڈالے بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے آپ نے فرمایا: ”یہ میرے اہل بیت ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں۔“ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے ننگن خرید لاوے!

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ بڑھتی فرماتی ہیں: ”مارایت احدا کان صدق بھجة من فاطمة الا ان یکون الذی ولدھا۔“  
 ”میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔“

حد درجہ حیا دار تھیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو شرم سے لڑکھراتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ اسی بنا پر تھی۔  
 آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں۔ جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی وہ اگرچہ اس وقت ۵-۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔  
 آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ان کی پیشانی چومتے

۱۔ یہ تمام واقعات ابوداؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔ ۲۔ استیعاب ج ۲ ص ۷۷۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸ و ۷۷۔



اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواہی پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے سرور نکلے لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی تو اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے سنا، نے شکایت کی، آپ نے فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔ حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے سنا سے کہا: ”اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔“



## (۱۶) حضرت امامہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ابوالعاصؓ بن ربیع کی صاحبزادی ہیں جو زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں، آبائی شجرہ نسب یہ ہے۔ امامہؓ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزیٰ ابن عبد شمس بن عبد مناف۔

عام حالات:

آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی۔ آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد میں امامہ رضی اللہ عنہا کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی، اللہ اکبر!

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں جن میں ایک زریں ہارتھی تھا۔ امامہ رضی اللہ عنہا ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ زوج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا لیکن آپ نے امامہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا، بعض روایتوں میں ہار کی بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے، اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آ گیا ہے یعنی نجاشیؓ۔

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۲ و (زرقاتی ج ۳ ص ۲۵۵) ۲ زرقاتی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد ابن حنبل۔

## نکاح:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے سن شعور کو پہنچ چکی تھیں، اس لیے جب حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا، ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی کے بھائی تھے امامہؓ سے نکاح کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی خود انہی نے پڑھایا یہ واقعہ ہے۔

۴۰ھ میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو منیرہ بن نوفل (عبدالطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہؓ سے نکاح کر لیں چنانچہ منیرہ نے قبیل کی اس کے قتل امر معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کیے جائیں، لیکن امامہؓ نے منیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھالیا۔

## وفات:

حضرت امامہؓ نے منیرہ کے ہاں وفات پائی۔

## اولاد:

منیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھی تھا، لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔



## (۱۷) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

## نام و نسب:

صفیہ نام عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ (آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ) کی ہمیشہ ہیں اس بنا پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول اللہ ﷺ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن تھے۔

## نکاح:

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا۔ جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

## اسلام:

۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے آنحضرت ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے: والصحيح انه لم يسلم غيرها. یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

## عام حالات:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی غزوہ احد میں جب مسلمانوں نے شکست

کہائی تو وہ مدینہ سے نکلیں صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیئے؟“<sup>۱</sup> آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے تھے لیکن ان اللہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہو گئیں<sup>۲</sup> اور مغفرت کی دعا مانگی۔ واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لیے مرثیہ کہا، جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں:<sup>۳</sup>

ان یوماتی علیک لیوم کورت شمسہ وکان مضیاء

”آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہو گیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا۔“  
غزوہ احد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا، انصار کے قلعوں میں فارغ سب سے زیادہ محکم قلعہ تھا، اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کے آبادی سے متصل تھا۔ مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے۔ یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کر دیا، ایک یہودی قلعہ کے پھانک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا، حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا۔ جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس بنا پر معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب

۱ (طبقات ج ۸ ص ۲۸) ج (اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲ و ۱ ص ۸ ج ۱۲۹)

۲ ص ۱ ص ۸ ج ۱۲۹۔

اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے دیجئے، مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی نے ہی انجام دینی پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی!

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ حضرت صفیہؓ کو جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، نہایت پر درد مرثیہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:

لفقد رسول اللہ اذ حان یوم فیاعین جودی بالدموع السواجم

”آنحضرت ﷺ کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا“

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔

### وفات:

حضرت صفیہؓ نے ۲۰ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت

بہتر برس کا سن تھا۔

### فضل و کمال:

حضرت صفیہؓ نے بقول صاحب اصابہؒ کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں،

لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔



۱۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ و ۲۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۹۳۔

۲۔ اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹۔ ۳۔ اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸۔

## (۱۸) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

### نام و نسب:

برکت نام، ام ایمن کنیت، ام الظباء عرف، سلسلہ نسب یہ ہے:  
برکت بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان، حبشہ کی  
رہنے والی تھیں اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کنیز تھیں۔ بچپن سے عبداللہ  
کے ساتھ رہیں اور جب انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں، ان کے بعد خود  
سرور کائنات کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ کی ان  
ہی نے پرورش اور پرداخت کی تھی!

### نکاح:

حارث بن خزرجؓ کے خاندان میں عبید بن زید ایک شخص تھے، ام ایمن رضی اللہ عنہا کا  
ان ہی کے ساتھ عقد ہوا، لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت  
زید بن حارثہؓ جو کہ محبوب خاص تھے نکاح پڑھایا۔ یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

### اسلام:

حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے، ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔

### عام حالات:

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں ہجرت کے  
بعد مدینہ واپس آئیں، غزوہ احد میں شرکت کی، اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور

۱ (اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲ و ۲۱۳)

۲ صحیح بخاری (ج ۱ ص ۵۲۹) میں ام ایمنؓ کے متعلق مذکور ہے وہو رجل من الانصار۔

رضیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا ام ایمن رضی اللہ عنہا مغموم تھیں اور رو رہی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔ جواب ملا: ”یہ خوب معلوم ہے اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں“ رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے۔

۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے وفات شہادت پائی، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں اس لیے کہ اب اسلام کمزور پڑ گیا۔

وقات:

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

دو اولادیں ہوئیں، امینؓ اور اسامہؓ، امینؓ پہلے شوہر سے تھے صحابی ہیں خیبر میں شہادت پائی، اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا، نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل وکمال:

آنحضرت ﷺ سے چند روایتیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنظل بن عبد اللہ صنعانی اور ابو یزیدؓ مدنی داخل ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ ”ام ایمنؓ میری ماں ہیں“۔ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ (کسی وجہ سے) متردد ہوئے، اس پر ام ایمنؓ ناراض



ہوئیں! (حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی)۔

انصار نے آنحضرت ﷺ کو بہت سے نخلستان دیئے تھے، جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ان انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا، اس پر مقرر ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے ۱۰۰ گنا زیادہ عطا فرمایا۔



۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۱۔ ح (نووی شرح مسلم)

۲ صحیح بخاری (زرقاتی ج ۳ ص ۳۲۷)

## (۱۹) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

فاطمہ نام اسد بن ہاشم کی بیٹی اور عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں۔

نکاح:

ابوطالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اسلام:

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں تھیں اور گوان کے شوہر ایمان نہیں لائے، تاہم وہ اور ان کی بعض اولاد شرف بہ اسلام ہوئی، جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی دست و بازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات:

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی آتی ہیں، میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آنا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔

وفات:

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل

فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں، آنحضرت ﷺ نے اپنی قیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا۔ اس بنا پر میں نے ان کو قیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حطہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شہداء قبر میں کی واقعہ ہوا۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار، طالب، عقیل۔

اخلاق:

اسا بہ میں ہے:

كانت امراءه صالحه وكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتها۔  
 ”وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔“



## (۲۰) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

لبابہ نام، ام الفضل کنیت، کبریٰ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے:

لبابہ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن بحیر بن الہرام بن رویہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں، لبابہ کی حقیقی اور اخیانی کنی بہنیں تھیں، جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں، چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کو لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہ) کو سلمیٰ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما (عم رسول اللہ) کو اور اسماءؓ حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں، اسی بنا پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف) کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح:

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں اور ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات:

ام الفضلؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ کے صائم ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور ان کے پاس آ کر ذکر کیا، تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا، آپ

چونکہ روزہ سے نہ تھے۔ دودھ پی لیا اور لوگوں کو کشفی ہو گئی!۔

وفات:

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی، اس وقت عباسؓ زندہ تھے، حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی، اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں، فضل، عبداللہ، معبد، عبید اللہ، قثم، عبدالرحمن اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگاریں ہیں، ان میں حضرت عبداللہ اور عبید اللہ آسمان علم کے مہر و ماہ تھے۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں، راوی حسب ذیل اصحاب ہیں، عبداللہ تمام (پسران عباسؓ) انسؓ بن مالک، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمیر، کریب، قابوس۔  
اخلاق:

عابدہ اور زاہدہ تھیں، ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں، آنحضرت ﷺ سے محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔



## حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

نام معلوم نہیں، ام رومان کنیت ہے۔ قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے، ام رومان بنت عامر بن بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سمیع ابن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح:

عبداللہ بن حجرہ سے نکاح ہوا اور انہی کے ہمراہ مکہ آ کر اقامت کی، عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خود نکاح کر لیا۔

اسلام:

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت:

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ تہا آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہو گئے تھے، لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا۔ مدینہ پہنچے تو وہاں سے زید بن حارثہ اور ابو رافع مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، ام رومان بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

عام حالات:

شعبان ۶ھ میں اٹک کا واقعہ پیش آیا، (ام رومان کے لیے یہ نہایت مصیبت کا

وقت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر میکہ آئیں حضرت ابو بکرؓ بالا خانے پر تھے اور ام رومان نے بچے بیٹھیں تھیں، پوچھا کیسے آئیں، حضرت عائشہ نے سارا واقعہ بیان کیا بولیں: بیٹی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو عورت اپنے خاندان کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے اور خود بھی رونے لگے۔ پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان رضی اللہ عنہا کو لے کر خود بھی روانہ ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اس صدمہ سے بخارا گیا تھا۔ دونوں نے ان کو گود میں لٹایا، عصر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ”عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے کہا آپ لوگ جواب دیں، لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ غرض حضرت عائشہ نے خود جواب دیا، جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی، جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومان بولیں کہ ”تم اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس جاؤ“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکر یہ ادا کرتی ہوں!“

اسی سنہ کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا، حضرت ابو بکرؓ اصحاب صفہ میں سے تین صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی، گھر آئے تو ام رومان نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا، غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بیچ رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ام رومان سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں بولیں گئے سے زیادہ چنانچہ اب اٹھا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

وفات:

حضرت ام رومان بی بی نے ۹ھ یا اس کے بعد انتقال کیا، آنحضرت ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومان نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام طفیل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں۔ حضرت عبدالرحمنؓ اور عائشہؓ۔





## (۲۲) حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔

نکاح:

یاسر عیبسی سے کہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے نکاح ہوا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔

اسلام:

ایام ہجری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، یاسر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہما تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا۔ کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بہ تدریج بڑھتا گیا۔ چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے، لیکن ان کے عزم و استقلال کے چیمینوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے "آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے۔"

## شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچی ماری کہ حضرت سمیہؓ بیٹھی جان بحق تسلیم ہوئیں۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

بنا کردند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایس عاشقان پاک طینت را حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا۔ آنحضرت ﷺ سے آ کر کہا اب حد ہو گئی آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ”خداوند! آل یاسر کو جہنم سے بچا“ یہ واقعہ ہجرت نبوی ﷺ سے قبل کا ہے اس بنا پر حضرت سمیہؓ بیٹھی اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔

غزوہ بدر میں ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہما سے فرمایا:  
 ”دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا“



## (۲۳) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

سہلہ یا رملہ نام ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصا لقب، سلسلہ نسب یہ ہے: ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار ماں کا نام ملیکہ بنت مالک بن عدی بن زید مناة تھا۔ آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں۔ سلمیٰ عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھیں اسی بنا پر ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح:

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیم تبدیلی مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ابو طلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن ام سلیم کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابو طلحہ مشرک تھے۔ اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابو طلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیم کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا، حضرت ام سلیم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔ ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا ”میرا مہر اسلام ہے“ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہما نے کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

نکاح کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ام سلیم اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لے کر حضور میں آئیں اور کہا ”انیس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں“ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی یہ اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کی اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا۔

غزوات میں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم و نسوة من الانصار مع اذا عز فیسقین الماء و یداون الجرحی.

”آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔“

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ”میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔“

۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، اس موقع پر حضرت ام سلیم نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔

۶ھ میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ اس میں شریک تھیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ ہی نے حضرت صفیہؓ کو آنحضرت کے لیے

۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ - ۲ بخاری - ۳ مسلم ج ۲ ص ۱۰۳۔

۴ صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱ - ۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۵۔

کے لیے سنوارا تھا۔

غزوہ حنین میں وہ ایک مخبر ہاتھ میں لیے تھیں۔ ابو طلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ ام سلیم مخبر لیے ہیں آپؐ نے پوچھا کیا کرو گی؟ بولیں ”اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی“ آنحضرتؐ یہ سن کر مسکرا دیے حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ مکہ کے قریب جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجیے ارشاد ہوا ”خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے“

**وفات:**

حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں، لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

**اولاد:**

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا انہوں نے دو نکاح کیے تھے پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے حضرت ابو طلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ابو عمیر اور عبد اللہ ابو عمیر صغریٰ میں فوت ہو گئے اور عبد اللہ سے نسل چلی۔

**فضل و کمال:**

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابوسلمہ اور عمرو بن عاصم نے ان سے روایت کیا ہے لوگ مسائل دریافت کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تھا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں۔ اور کہا یا رسول اللہ خدا حق بات سے نہیں شر مانتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ یہ سن رہی تھیں بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں

صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۲۶۔ ج ۲ ایضاً ص ۱۰۳۔ ج ۳ مسند ج ۶ ص ۴۳۰، ۴۳۱۔

کی بڑی فضیلت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں! اخلاق:

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے، جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے، حضرت ابوطلمحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک تھے اس موقع پر انہوں نے ابوطلمحہ رضی اللہ عنہما کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے:

قالت يا ابا طلحة! الست تعلم ان الهنك الذي تعبد نبت من الارض

قال بلى قالت افلا تستهوى تعبد شجرة. (اصابہ ج ۸ ص ۲۳۳ بحوالہ مسند)

”ام سلیمؓ نے کہا ابوطلمحہ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے آگاہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟“

حضرت ابوطلمحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کزرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔<sup>۱</sup>

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ انھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔<sup>۲</sup> آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے خاص محبت تھی، صحیح مسلم میں ہے۔<sup>۳</sup>

۱ مسند ج ۶ ص ۶۹۲، ۳۰۶ (۶ ج ۳۷۶) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹۔

۲ مسند ج ۶ ص ۳۷۶۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۱۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يدخل على احد من النساء الا على  
ازواجه الا ام سليم فانه يدخل عليها فليل في ذلك فقال اني  
رحمهما قتل اخوها معي.

”آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں  
نہیں جاتے تھے لیکن ام سلیم رضی اللہ عنہا مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا  
مجھے ان پر رحم آتا ہے ان کے بھائی (حرام) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت  
پائی ہے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیم کے مکان پر تشریف  
لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیم نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں ابو عمیر ان کا بہت لاڈلا اور  
پیارا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھروالوں کو منع کیا کہ  
ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر نہ کریں رات کو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور  
اطمینان سے بستر پر لیٹے کچھ رات گزرنے پر ام سلیم نے واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب  
انداز سے بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریہ ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا  
تم اس کے دینے سے انکار کرو گے؟ ابو طلحہ نے کہا کبھی نہیں کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی  
طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابو طلحہ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اٹھ کر  
آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خدا نے اس رات  
تم دونوں کو بڑی برکت دی!

اسی طرح ایک مرتبہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں کچھ  
بھج دو حضرت ام سلیم نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس کو دیں کہ  
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں آپ مسجد میں تھے اور صحابہ بھی بیٹھے ہوئے

تھے، حضرت انس کو دیکھ کر فرمایا، ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں، فرمایا کھانے کے لیے؟ کہا ہاں، آپ تمام صحابہ کو لے کر ابو طلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے، ابو طلحہؓ دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا بہت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں، حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں، آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔<sup>۱</sup>

حضرت ام سلیمؓ کے فضائل و مناقب بہت ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔<sup>۲</sup>



۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۰۔

۲ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲۔



## (۲۴) حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

نسبہ نام ام عمارہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے:  
ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح:

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ  
بیعت عقبہ میں ۳۷ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوات:

غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتح  
یاب تھے وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں، لیکن جب شکست ہوئی تو  
آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ پر ہو گئیں، کفار جب آپ پر بڑھتے تو تیر اور تلوار  
سے روکتی تھیں آنحضرت ﷺ کا خود بیان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے دانے اور بائیں  
برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا، ابن تمیہ جب درآتا ہوا، آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو  
حضرت ام عمارہ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار  
ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے کارگر نہ ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ  
انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا۔ احد کے بعد بیعت الرضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ میں پیش آئی مسیلہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا، حضرت ام عمارہؓ نے اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لے کر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلہ نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا، تو انہوں نے منت مانی کہ ”یا مسیلہ قتل ہو گا یا وہ خود جان دے دیں گی“ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس جنگ میں مسیلہ میں بھی مارا گیا۔

### وفات:

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

### اولاد:

وفات کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں، حبیب، عبداللہ (پہلے شوہر سے)

تمیم، خولہ (دوسرے شوہر سے)

### فضل و کمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ، حارث

ابن کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

### اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے

لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں

تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا۔ ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ، بولیں میں روزہ سے ہوں،

آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس

پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔

جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

## (۲۵) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

نسبہ بنت حارث نام انصار کے قبیلہ ابی مالک بن الحجار سے تھیں۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا، اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی، اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نوحہ اور مین نہ کرنا۔

غزوات اور عام حالات:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتی، ان کے سامان کی حفاظت کرتی، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

۸ھ میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، تو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو نہلانے

۱ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱، ۳۲۲) ۲ (مسند ج ۶ ص ۳۰۹۔

۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵۔

## کی ترکیب بتلائی!

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا، بیمار ہو کر بصرہ آیا، حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں، خبر ملی تو نہایت غلت سے بصرہ روانہ ہوئیں، لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پا چکا تھا، یہاں آ کر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا، تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگوا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

## وفات:

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

## فضل و کمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:  
حضرت انسؓ، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرین، اسماعیل بن عبد الرحمن بن عطیہ  
عبدالملک ابن عمیر، علی ابن الاقر، ام شراحیل۔

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔

## اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ ہی بیٹھا کے پاس روانہ کیا، آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لیے مانگا۔ بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیمہؓ کے پاس

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۸ (مسلم ج ۱ ص ۳۲۶) ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ (باب احدا  
والمرأة علی غیر زوجا) ۳ اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۰۳۔ ۴ تہذیب الجندیب ج ۱۲ ص ۴۵۵ (اصابہ

بھی تھی اس کا گوشت رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا لاؤ، کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی۔  
 آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزہ و اقارب سے بھی خاص تعلقات تھے۔  
 چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عتیہؓ کے مکان میں قبول فرماتے تھے۔  
 احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں  
 نوحہ کی ممانعت کی تھی، اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا۔ چنانچہ بیعت ہی کے وقت  
 آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں۔ اس لیے  
 مجھ کو بھی ان کے ہاں جا کر رہنا ضروری ہے، آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کر دیجیے۔  
 چنانچہ مستثنیٰ کر دیا۔ (بعض روایات میں ہے حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ کو کوئی  
 جواب نہیں دیا اور جن روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا ان کا  
 مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لیے خاص تھا۔ ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز  
 نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال، اپنی گزر چکا ہے۔



## (۲۶) حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ربیع نام قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار والدہ کا نام ام تزید تھا جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھی، حضرت زبیب اور ان کے بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔

اسلام:

ایاس بن بکر لیشی سے شادی ہوئی، صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے، لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہیں تھیں، اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے جن میں ایک مصرع یہ تھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد.

”اور ہم میں وہ ہی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو (اس کے علاوہ جو کہتی تھیں وہ کہو)۔

عام حالات:

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں۔

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۳۱۸۔ ۲ صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰۔

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں، جب بیعت رضوان کا وقت آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی ۳۵ھ میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا، صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ اور شوہر سے فرمایا تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو۔

**وفات:**

حضرت ربیع بنتی عیسیٰ کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

**اولاد:**

اولاد میں محمد مشہور ہیں۔

**فضل و کمال:**

حضرت ربیع بنتی عیسیٰ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں، علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زین العابدینؓ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔  
راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں، مثلاً عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابوعبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان۔

**اخلاق:**

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخزومہ جو ابوربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی، اور ان کا نام و نسب دریافت کیا، چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا، اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی، بولی ”تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟“ حضرت ربیع بنتی عیسیٰ کو ابو جہل کی

نسبت سردار کا لفظ نہایت نامگوار ہوا۔ بولیں ”سردار نہیں بلکہ غلام کے قاصد کی بیٹی ہوں“  
 اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا  
 حرام ہے حضرت ربیع بن مسیخ نے برجستہ کہا، مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر  
 عطر نہیں بلکہ گندگی ہے!ؕ

آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت تھی آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔  
 ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لیے پانی مانگا۔ ایک مرتبہ دو  
 طاقتوں میں چھو بارے اور انکو لے کر گئیں، تو آپ ﷺ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔  
 آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں ”بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب  
 طلوع ہو رہا ہے“۔ؕ



۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۵۲۔ ۲۔ مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔

۳۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۔ ۴۔ مسند ج ۶ ص ۳۵۹۔

۵۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۵۲۔



## (۲۷) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

فاختہ نام، ام ہانی کنیت، ابوطالب عم رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اس بنا پر حضرت علی، حضرت جعفر طیار اور ام ہانی رضی اللہ عنہا حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح:

ہبیرہ بن عمرو (بن عائد) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں، آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی، آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی، ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات:

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں، تہذیب میں ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمرو ہانی، یوسف، جعدہ۔

فضل و کمال:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ۳۶ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں، جعدہ، یحییٰ، ہارون، ابومرہ، ابوصالح، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث

بن نوفل، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، عروہ، عبداللہ بن عیاش، شععی، عطاء، کریب، محمد بن عقبہ۔  
 آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں، جس سے ان کی فقہ دانی  
 کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی، و تاتون فی نادیکم المنکر!۔  
 اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو عقیدت تھی، وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ فتح  
 مکہ کے زمانہ میں ان کے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا، اس کے بعد ان کو  
 دیا (انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جوٹھا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں بعض  
 روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں روزہ سے  
 ہوں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ  
 روزہ رکھ لینا اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے<sup>۱</sup>۔  
 آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا، ام ہانی! بکری  
 لے لو یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔<sup>۲</sup>

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوزھی ہو گئی ہوں  
 اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے  
 انجام دے سکوں۔ آپ ﷺ نے ایک وظیفہ بتلایا (سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ  
 ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو)<sup>۳</sup>۔



۱۔ مسند ج ۶ ص ۳۳۱۔ (۲ ایضاً ص ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳)

۳ ایضاً۔ ۳ ایضاً ص ۳۳۳۔

## (۲۸) حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

فاطمہ نام، ام جمیل کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہم شیرہ ہیں۔

نکاح:

حضرت سعید بن زید سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے۔ ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان ہی کے سبب سے ہوئے۔ اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مخزومی صحابی سے ملاقات ہوئی، پوچھا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد ﷺ کا مذہب اختیار کر لیا ہے؟ بولے ہاں، لیکن بولے اپنے گھر کی خبر لو تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمد ﷺ کا مذہب قبول کر لیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن بولہبان ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا، عمر! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی

طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہو کر فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لاکر ساتھ رکھ دیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے:

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله ﷺ

ہجرت:

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات:

وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد:

ایک لڑکا چھوڑا، عبدالرحمن نام تھا۔



## (۲۹) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

اسماء نام قبیلہ نخعیم سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن معاذ یہ بن زید بن مالک ابن بشر بن وہب اللہ بن شعران بن عفرس بن خلف بن اقبل (نخعیم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا۔ اور قبیلہ کنانہ سے تھیں اس بنا پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین) اور اسماء رضی اللہ عنہا اخیانی بہنیں تھیں۔

نکاح:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے

تھے) نکاح ہوا۔

اسلام:

آنحضرت کے خانہ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔

عام حالات:

حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں، ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، پوچھا یہ کون ہیں، جواب ملا اسماء بولے ”ہاں وہ حبشہ والی وہ سمندر والی“ حضرت اسماء نے کہا ”ہاں وہی“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا، بولیں ”کبھی نہیں! تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے لیکن ہماری حالت بالکل جدا گانہ تھی، ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں“

آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا ارشاد ہوا: ”انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں۔ اس لیے تم کو زیادہ فضیلت ہے“ حضرت اسماءؓ اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں بیچ معلوم ہوتیں تمہیں مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ بیچنے کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔

۸؎ غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی (حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور آبدیدہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ غمگین کیوں ہیں۔ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں، بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی، حضور نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرتؐ اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا، جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔<sup>۲</sup>

اس کے بعد مسجد میں جا کر غم زدہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا، اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر کہا کہ جعفرؓ (رضی اللہ عنہ) کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ آپؐ نے منع کرنا بھیجا، وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی، آپ نے ارشاد فرمایا ”تو ان کے منہ میں خاک بھر دو“ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی“۔<sup>۳</sup>

تیسرے دن آنحضرت ﷺ اسماءؓ کے گھر تشریف لائے اور سوگ کی ممانعت کی

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۷، ۶۰۸۔ ۲ مستدرک ج ۶ ص ۳۷۰۔

۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱۔ ۴ مستدرک ج ۶ ص ۳۶۹۔

کی ۶ تقریباً مہینے کے بعد شوال ۸ھ میں غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا نکاح پڑھا دیا۔ جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اسماءؓ نے دریافت کر لیا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں۔

آنحضرتؐ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الحجب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی، چونکہ گوارا نہ تھی آپ نے انکار فرمایا، اسی ممانعت میں غشی طاری ہو گئی، انہوں نے منہ کھول کر پلا دی، افاقہ کے بعد احساس ہوا تو فرمایا ”مشورہ اسماءؓ نے دیا ہوگا۔ وہ جسہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں، عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے“ چنانچہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو دوا پلائی گئی۔

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو وصیت کی کہ اسماءؓ غسل دیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، محمد بن ابوبکر بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی، ایک دن عجیب لطیفہ ہوا۔ محمد بن جعفر اور محمد بن ابوبکر نے باہم فخر کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو۔ بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفر رضی اللہ عنہ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت علیؓ بولے ہمارے لیے کیا رہا؟

۲۸ھ میں محمد بن ابوبکر مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش

۱۔ (جس عورت کا شوہر کا انتقال کر جائے اس کو ۳ ماہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہیے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماء کی روایت سے شبہہ میں نہ پڑنا چاہیے اس لیے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے۔ اور اجماع اس کے مخالف امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۳۲۹ ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) ج ۱ ص ۸ ص ۹۔ ج ۲ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۳ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۴ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۵ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۶ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۷ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۸ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔ ج ۹ ص ۳۹۳، ۳۸۵۔

جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ آیا، لیکن نہایت صبر سے کام لیا، اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔  
وفات:

۲۰ھ میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماءؓ بنی سنیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔  
اولاد:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت اسماءؓ نے ۳ نکاح کیے چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمدؓ، عبداللہؓ، عونؓ، حضرت ابوبکرؓ سے محمدؓ اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔  
ریاض النضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دولڑکے ہوئے تھے یحییٰ اور عونؓ، لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔  
فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں جن کے راویوں کے نام یہ ہیں: حضرت عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمدؓ، عبداللہ بن شداد بن الہباد، عروہ، ابن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفرؓ، فاطمہ بنت علیؓ، ابو یزید مدنی۔  
آنحضرت ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لیے ان کو ایک دعا بتائی تھی۔  
ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلادیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا تو تم جہاز پھونک کر دو حضرت اسماءؓ کو ایک منتر یاد تھا۔ آنحضرت ﷺ کو سنایا، فرمایا ”یہی سہی“۔  
حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔

۱۔ اصابہ ج ۸ ص ۹۔ ۲۔ خلاصہ تہذیب ص ۳۸۸۔ ۳۔ استیعاب ج ۲ ص ۴۲۶۔ ۴۔ ریاض النضرہ ج ۲ ص ۶۳۹۔ ۵۔ مسند ج ۶ ص ۳۶۹۔ ۶۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۳۔ ۷۔ اصابہ ج ۸ ص ۹



## (۳۰) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

اسماء نام ذات النطاقین لقب، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام غیلہ بنت عبد العزیٰ تھا۔ ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:

حضرت زبیر بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام:

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارواں نمبر تھا۔

عام حالات:

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحبت تھے آپ ﷺ دو پہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماء نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطق جس کو عورتیں کمر میں پٹختی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ ابوقحافہ ان کے والد تھے معلوم ہوا تو بولے کہ انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی، حضرت اسماء نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں، یہ کہہ کر انھیں اور جس جگہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر ابوقحافہ کو لے کر گئیں اور کہا انہوں نے لیجئے یہ دیکھئے یہ رکھا ہے۔ ابوقحافہ تائبنا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے

صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۳، ۵۵۵۔

اور کہا کھانے کے لیے بہت ہے۔ حضرت اسماءؓ بیٹھنے کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک جہ بھی نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بیٹھنے بھی آئیں۔ قبائلیں قیام کیا یہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ عبداللہ بن زبیر جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا۔ اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے ادھر سلطنت بنو امیہ کا فرمانروا (یزید) سر تاپا فسق و فجور تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ مکہ میں پناہ گزین ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبداللہ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا اس لیے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہا اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا، لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔

شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے وہ بیمار تھیں پوچھا ”کیا حال ہے؟“ بولیں ”بیمار ہوں“ کہا ”آدی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے“ حضرت اسماءؓ نے کہا ”شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے“ لیکن میں ابھی مرنا پسند نہیں کرتی، میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو اور میں صبر کروں یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں“ ابن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے، شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے وہ مسجد میں بیٹھی تھیں صلح کے متعلق مشورہ کیا، بولیں ”بیٹا! قتل کے خوف

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۵۰۔ ۲۔ اسابہ ج ۴ ص ۲۲۹، طبقات ج ۱ ص ۱۶۱، تہذیب ج ۵ ص ۲۱۴۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵۔ ۴۔ فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲۔

سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں۔ کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ گوزا مارنے سے بہتر ہے“ حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی۔ حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، ۳ دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ بیٹی سیدنا کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش اتنی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا: ”کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا؟“ حجاج کو چھینر منظور تھی، آدمی بھیجا کہ ان کو جا کر لائے، حضرت اسماءؓ نے انکار کیا، اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ”ابھی خیریت ہے ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال گھسٹ کر لائے گا“

حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں، جواب دیا میں نہیں جاسکتی حجاج نے مجبوراً خود جو تاپہنا اور حضرت اسماءؓ بیٹی سیدنا کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا: ”کہیے میں نے دشمن خدا (ابن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا“ حضرت اسماءؓ بولیں: ”تو نے اس کی دنیا بگاڑی اور اس نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو اس کو طنزاً ذات العطا قین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم ذات العطا قین میں ہوں، میں نے نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما کا کھانا پاندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اُتیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا، چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے“ حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا!

چند دنوں بعد عبدالملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دی، حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوا لیا اور غسل دلو کر جنازہ کی نماز پڑھی، حضرت ابن زبیرؓ کا جواز جوڑ الگ تھا، شہانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات:

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے بھی داعی اجل کو بلکہ کہا یہ جمادی الاولیٰ ۳۷ھ کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی، عبداللہ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن، عائشہؓ

خلیہ:

حضرت اسماءؓ بایں ہمہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہ گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے۔ دراز قد اور کھیم شیم تھیں، اخیر عمر میں پینائی جاتی رہی تھی۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے حضرت اسماءؓ نے ۵۶ حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور سنن میں موجود ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

عبداللہ، عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ، عبداللہ بن عروہ (نبیرگان) فاطمہ بنت المنذر، ابن زبیر، عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس، صفیہ بنت شیبہ، ابن ابی ملیکہ، وہب بن کیسان، ابوبکر و عامر (پسران ابن زبیر)، مطلب بن حطب، محمد بن منکدر، مسلم معری، ابونوفل ابن ابوعقرب۔

اخلاق:

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فریبہ اور دوسری لاغر تھی یہ دکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہئے۔ لیکن چونکہ نماز کئی

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶۔ ۲۔ طبری ج ۳ ص ۲۳۶۱ اور الریاض النضرہ ص ۲۷۹ و ۲۸۰۔

۳۔ اصابت ج ۸ ص ۸۔ ۴۔ مسند ج ۶ ص ۳۳۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۳۔ ۵۔ مسند ج ۶ ص ۳۳۹۔

کہنے تک ہوئی تھی 'حضرت اسماء بیضا کو فحش آ گیا' اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔  
امین ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے جو گناہ  
خدا معاف کرتا رہتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں حجاج بن یوسف  
جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنی آپ  
ہی نظیر ہے۔ ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا 'حضرت اسماء اپنی کینز کے ساتھ آئیں اور  
دریافت کیا کہ "امیر کہاں ہے" معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا  
"تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا۔ اس لیے خدا نے اس کو بڑا اور دناک  
عذاب دیا" حضرت اسماء نے برکت جو اب دیا تو جھوٹا ہے۔ وہ لٹھ نہ تھا بلکہ صائم پارسا  
اور شب بیدار تھا۔

نہایت صابر تھیں 'حضرت امین زہیر رضی اللہ عنہما کی شہادت ایک قیامت تھی جو ان کے  
لیے قیامت کبریٰ بن گئی تھی۔ لیکن اس میں انہوں نے جس استقلال جس صبر اور جس تحمل  
سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خود دار تھیں 'حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نغوت بھی ان کی خودداری کی  
چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

ہاں ہم نہایت متواضع اور خاکسار تھیں 'محنت مشقت میں ان کو ہائل عار نہ تھا  
چنانچہ جب ان کا نلاج ہوا تو حضرت زہیر کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف ایک اونٹ اور ایک  
گھوڑا تھا۔ وہ گھوڑے کو دانہ دیتی۔ پانی بھرتی اور اول سنی تھیں روٹی پکانی نہیں آتی تھی  
اس لیے آنا گوندھ کر کہتیں اور انصار کی عورتیں پکا دیتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت  
زہیر رضی اللہ عنہما کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر چھوہاروں کی کھلیاں پھنتی اور تین  
فراگٹ سے سر پر لا کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آ رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ

سے ملاقات ہو گئیں آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر بیٹھیں گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا انہوں نے کہا ”سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی“؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا۔ اسی وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی، کہتی تھیں ”فکانما اعتفنی“ یعنی گویا ابو بکرؓ نے مجھے آزاد کر دیا!

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا۔ اس وقت یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں!

حد درجہ فیاض تھیں، عبد اللہ بن زبیر فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی! بیمار پڑتیں تو اپنے غلام آزاد کر دیتی تھیں، حضرت زبیر کا مزاج تیز تھا اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی!

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں۔ کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا ”ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو)“

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کیے، پہلا حج آنحضرت کے ساتھ کیا تھا،<sup>۱</sup> اس میں جو کچھ دیکھا تھا،<sup>۲</sup> ان کو بالکل یاد تھا، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حج کے لیے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ پھر اپنے غلام سے پوچھا ”چاند

۱ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۲ مسند ج ۶ ص ۲۵۲۔ ۳ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۱۔ ۴ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۵ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۷ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۸ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۹ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۰ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔

۱۱ خلاصہ تہذیب ص ۳۸۸۔ ۱۲ مسند ج ۶ ص ۲۵۲۔ ۱۳ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۴ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۵ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۷ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۸ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۱۹ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔ ۲۰ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶- ۷۷۔

۲۱ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۹۔ ۲۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۷۔

چھپ گیا اس نے کہا نہیں، جب چاند ڈوب گیا بولیں کہ اب رمی کے لیے چلو رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی اس نے کہا آپ نے بڑی بخلت کی فرمایا آنحضرتؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے! جب کبھی خون سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہم یہاں ٹھہرے تھے اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔

نہایت بہادر تھیں، اخلاقی جرأت کے چند واقعات اور گزر چکے ہیں سعید بن عباس کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بد امنی شروع ہو گئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا لوگوں نے پوچھا اس کا کیا فائدہ ہے؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی۔

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا چرچا تھا۔ لوگ ان سے دعا کراتے تھے جب کوئی ورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لیے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو) مگر کوئی آدمی بیمار ہوتا تو آنحضرتؐ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں۔ اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔



## (۳۱) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

فاطمہ نام سلسلہ نسب یہ ہے، فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب بن ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں  
نکاح:

ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

ہجرت:

اور ہجرت کی۔

عام حالات:

۱۰۔ اھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر یمن گئے ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے چلتے وقت عیاش ابن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵-۵ صاع جو اور خرے بھیجے حضرت فاطمہ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا ہے محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئیں خالد بن ولید وغیرہ بھی پہنچے آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنی مرتبہ طلاق دی بولیں ۳ مرتبہ فرمایا اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو لیکن چونکہ ام شریک کے عزیز واقارب ان کے مکان میں آتے جاتے تھے

۱۔ (عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے) حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے





”یعنی وہ نہایت عقیل اور صاحب کمال تھیں۔“

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی عبد اللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ، مروان نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آ کر کہا آپ ایک عورت کو ایام عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لیے آنحضرتؐ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا، اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی، قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرَجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ ﴾

”جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو ان کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ (طلاق: ۱)

یہ مراجعہ کی صورت تھی، اس کے بعد ہے۔

﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ﴾

”پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روکے رکھو یا اچھی طرح جدا کرو۔“

اس بنا پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہیے۔ اس لیے اس کو روک رکھنا بالکل بے کار ہے۔ (جب مروان کو حضرت فاطمہؓ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں، چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزار لی۔<sup>۱</sup>)

فاطمہؓ نے آنحضرتؐ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جو متعدد اشخاص کے

ذریعہ سے مروی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد، ابو بکر بن ابوالجہم، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ، عبداللہ بن عبداللہ،  
اسود، سلیمان بن یسار، عبداللہ ابھی، محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، شععی، عبدالرحمن ابن عاصم، تمیم۔

اخلاق:

عادات و اخلاق نہایت شریفانہ تھے، شععی جو ان کے شاگرد تھے، طے کو آئے تو  
انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا!



## (۳۲) حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

شفاء نام قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، شفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی ابن کعب بن لوی والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح:

ابوشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں!

عام حالات:

آنحضرتؐ سے ان کو بہت محبت تھی، آپؐ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تو آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے آپؐ کے لیے ایک علیحدہ بچھونا اور ایک تہہ رکھ چھوڑ تھی۔ چونکہ ان میں آنحضرتؐ کا پسینہ جذب ہوتا تھا، یہ بڑی تبرک چیزیں تھیں، حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا۔ لیکن مردان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں چنانچہ ابن سعد میں ہے:

كان عمر يقدمها في الرائي وبرعاها ويفضلها وربها ولا شينا من امر السوق.  
”حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور

۱ اصابع ج ۸ ص ۲۰ - ۲ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۸۶۔

۲ اصابع ج ۸ ص ۱۲۱ - ۳ اصابع ج ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد۔

ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرحبیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل و کمال:

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرتؐ سے انہوں نے استفتاء کیا تھا، آنحضرتؐ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حصصہ کو بھی سکھا دو لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا، چینی کے کانٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں ”بسم اللہ صلوا صلب جبر تعوذنا من اقواہا فلا تضر احدنا اللهم اکشف الباس رب الناس“ حضرت شفاء نے آنحضرتؐ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک ۱۲ ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر و عثمان اور ابوسلمہ، حضرت حصصہ اور ابواسحاق شامل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے: ۲

كانت من عقلاء النساء وفضلا نهن. ”یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں“

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی، حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی، تمہاری بنت عم بھی ہوں، اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ رسول اللہؐ سے نسبتاً قریب تر ہیں۔

۱۔ مسند ج ۶ ص ۳۷۳۔ ۲۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۷۷۔ ۳۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۸۶۔

۴۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۷ حالات عاتکہ۔

## (۳۳) حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

زینبؓ نام راطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے زینب بنت عبد اللہ ابی معاویہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن ظہیط بن جسم ابن ثقیف۔  
نکاح:

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے۔ جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعود نے جواب دیا، تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو۔ مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں، حضرت زینبؓ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں، اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں، اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس بنا پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے۔

عام حالات:

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد:

ابوعبیدہ جو اپنے زمانے کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر تھے۔

صحیح مسلم۔

## فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں، ابو عبیدہ، عمرو بن حارث، بن ابی ضرار، بسر بن سعید، عبید بن سابق، کلثوم، محمد بن عمرو بن حارث۔

## اخلاق:

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا، اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں، ایک دن وہ آپ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھی۔ مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں ایک پیش ہوا تو انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور گفتگو بھی!



## (۳۴) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

اسماء نام ام سلمہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے اسماء بنت یزید بن اسکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن بشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔  
اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کی کہ ”مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں خدا نے آپ کو مرد و عورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ہم پردہ نشین ہیں اس لیے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتیں اور مرد جمعہ اور جماعت میں شریک ہوتے ہیں مریضوں کی عیادت کرتے ہیں نماز جنازہ پڑھتے ہیں حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتی ہیں، گھروں کی حفاظت کرتی ہیں، کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتی ہیں تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا۔“

آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں آپ نے اسماء کو جواب دیا کہ عورت کے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔<sup>۱</sup>



جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن فضال میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے، مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں، جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں، فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہتائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں، اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم زیور نہ پہنیں گی تو شوہر بے وقعت سمجھے گا۔ ارشاد ہوا ”تو پھر چاندی کے زیور بناؤ اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے۔“

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے بیعت کرتی ہیں اپنا ہاتھ بڑھائیے، فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماءؓ ہی کا تھا۔

### عام حالات:

اچھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا، ان میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی داخل تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی، آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں لے لو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا، آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو دیا، انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ

ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا ”بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی ہے۔“  
 ۱۵ھ میں یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب  
 سے ۹ روٹیوں کو قتل کیا۔

وفات:

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم  
 نہیں ہے۔

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کے  
 راوی اصحاب ذیل ہیں محمود بن عمرو انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد اسحاق  
 بن راشد لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق:

استیجاب میں ہے:

كانت من ذوات العقل والدين.

”یعنی وہ عقل اور دین میں دونوں سے متصف تھیں۔“

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں، ایک مرتبہ ناقہ غضباء کی مہار تھا  
 تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی، ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف  
 ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائیں۔

حضرت اسماءؓ اکثر اوقات کاشانہ نبوت میں حاضر ہوتیں، ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ  
 آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا، گھر میں کہرام مچ گیا، آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس  
 آئے تو وہی حالت قائم تھی، فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے

۱۔ مسند ج ۶ ص ۳۵۸۔ ۲۔ اصحاب ج ۸ ص ۱۳۔

۳۔ مسند ج ۶ ص ۳۵۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۳۵۵، ۳۵۸۔

کہ لوٹتی آنا گوندھنے بیٹھی ہے، ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بے تاب ہو جاتے ہیں پھر دجال کے زمانہ میں جب قحط پڑے گا۔ اس پر کیونکر صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس دن تسبیح اور تکبیر بھوک سے چھائے گی پھر کھارونے کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔<sup>۱</sup>

مہمان نواز تھیں ایک بار حضرت شہر بن حوشب آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا حضرت شہر بن حوشب نے انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار مناسب نہیں ہے) انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔<sup>۲</sup>



۱۔ مسند ۶ ص ۲۵۳، ۲۵۴۔

۲۔ ح ایضاً ص ۲۵۸۔

## (۳۵) حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ام الدرداء دو تھیں اور دونوں حضرت ابودرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابودرداء سلمیٰ کی صاحبزادی تھیں۔

وفات:

حضرت ابودرداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی یہ خلافت عثمان کا زمانہ تھا۔

فضل و کمال:

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

كانت من فضلى النساء وعقلائهن وذوات الراى فيهن<sup>۱</sup>  
 ”وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں۔“

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابودرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے حافظ ابن عبدالبر نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے ام الدرداء کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق:

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں<sup>۲</sup>

۱ اصابع ۸ ص ۴۳۔

۲ ایضاً۔

## (۳۶) حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا

### نام و نسب:

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں؛ باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشرہ تھیں۔

### نکاح:

عکرمہ بن ابوجہل سے (جو ان کے ابن عم تھے) شادی ہوئی۔

### حالات:

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا، ان کا خسر (ابوجہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا، شوہر (عکرمہ) کی رگوں میں بھی اس کا خون دوڑتا تھا۔ ماموں (خالد) بھی مدت سے اسلام سے برسر پیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بنا پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی، ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے۔ ام حکیمؓ نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم ﷺ کا دامن غمخو نہایت کشادہ تھا۔ غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں، اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔

نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جانبازی سے لڑے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہا، ام حکیم رضی اللہ عنہا کو لے کر شام گئے اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاص سے نکاح کیا، ۴۰۰ دینار

مہر باندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں۔ چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا، حضرت ام حکیمؓ نے خالدؓ سے کہا کہ ”ابھی توقف کرو“۔ لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے غرض ایک پل کے پاس جو اب قنطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے رسم عروسی ادا ہوئی، دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آ پہنچے اور لڑائی شروع ہو گئی، خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی، حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں، تاہم انھیں، کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا، لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے کافروں کو قتل کیا تھا!

### وفات:

حضرت ام حکیمؓ کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں اولاد کا بھی یہی حال ہے۔



## (۳۷) حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

تماضر نام، خنساء لقب، قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:  
خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقط بن عصبہ بن خفاف بن امراء القیس بن ہبشہ  
ابن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حصصہ بن قیس عیلان بن معزز نجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح:

پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواد بن عبدالعزیز سے ہوا، اس کے انتقال  
کے بعد مرداس بن ابوعامر کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام:

ہجری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا۔ حضرت  
خنساء بیٹھ کر کو خبر ہوئی، تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ آئیں اور مشرف باسلام  
ہوئیں آنحضرت ﷺ دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، یہ ہجرت کے بعد کا  
واقعہ ہے۔

عام حالات:

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو  
حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت  
کی پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو  
بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں

لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ﴾

اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو، چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساءؓ کو ملتی رہی۔

وفات:

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی، سال وفات

۲۳ھ ہے۔

اولاد:

چار لڑکے تھے جو قادیہ میں شہید ہوئے، ان کے نام یہ ہیں، عبداللہ، ابو شجرہ (پہلے شوہر سے تھے) زید، معاویہ (دوسرے شوہر سے) فضل و کمال:

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساءؓ اپنا جواب نہیں رکھتی تھی صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

اجمع اهل العلم بالشعر انه لم تكن امرءة قليلة ولا بعدها اشعر منها.

”یعنی ناقدین سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر پیدا نہیں ہوئی۔“

لیلائے اذیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے، تاہم اس میں



بھی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مستثنیٰ رکھی گئی ہیں! بازار عکاز میں جو شعراء عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیامی کے دروازہ پر ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارضی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو نابذ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشی) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا!

حضرت خنساء ابتداء ایک دو شعر کہتی تھیں۔ لیکن صحرا کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں، یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے:

وان صحرائنا تم الهدد راء به كأنه فی راسه نار  
 صحرا کے بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے  
 حضرت خنساء کا دیوان بہت ضخیم ہے، ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساء کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں۔  
 ۱۸۸۱ء میں اس کا فرنج زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔



## (۳۸) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا

## نام و نسب:

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے، ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، والدہ کا نام ملیکہ تھا۔ جو مالک بن عدی بن زید مناة بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں، اس بنا پر ام حرام حضرت ام سلیم کی بہن اور حضرت انس کی خالہ ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

## نکاح:

عمرو بن قیس انصاریؓ سے نکاح ہوا، لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامت کے عقد نکاح میں آئی۔ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

## عام حالات اور وفات:

آنحضرت ﷺ جب کبھی قبا کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے۔ حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیا آپ آپ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ ”میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں۔“ حضرت ام حرامؓ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔“ آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور

اسی خواب کا اعادہ کیا، حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو، اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت نہیں دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا، اس حملہ میں بہت سے صحابہ شریک تھے، حضرت ابو ذرؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت ام حرامؓ بھی ان ہی میں داخل تھیں، بیڑا حمص کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہو گیا۔ واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں، لوگوں نے وہیں ان کو دفن کر دیا۔

اولاد:

حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے، پہلے شوہر سے قیس اور عبد اللہ اور حضرت عبادہ سے محمد۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں حضرت عبادہ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلیٰ بن شداد بن اوس ہیں۔



## (۳۹) حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:  
ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث بن عویمیر بن نوفل۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات:

غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم گھر میں رہو تو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا۔“

شہادت:

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لیے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمائیے، چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں،<sup>۱</sup> راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لوئڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو، ان بد بختوں نے اس وعدے سے (ناجاہز) فائدہ اٹھانا چاہا اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا، یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے، صبح کو حضرت عمر نے رضی اللہ عنہ سے لوگوں سے پوچھا، آج خالد کے قرآن پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں کسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا

<sup>۱</sup> عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے صفحہ ۸ پر ایک نوٹ ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیں۔

کہ ایک چادر میں لپیٹی پڑی ہوئی ہیں نہایت افسوس ہو اور فرمایا خدا و رسول نے سچ کہا تھا، آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”شہیدہ کے گھر چلو“ اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کیے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔



## (۴۰) حضرت ہند رضی اللہ عنہا

### نام و نسب:

ہند نام قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ابن عبد مناف، ہند کا باپ قریش کا سب سے

معزز رئیس تھا۔

### نکاح:

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا تو ابوسفیان

ابن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

### عام حالات:

عتبہ ابوسفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ابو جہل ان سب کا سردار تھا۔ لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابو جہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابوسفیان بن حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے اس کی جگہ لی اور ابو جہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی۔

چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکہ پیش آئے، ابوسفیان سب میں پیش پیش تھے، غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا۔ اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں جنہوں نے اپنے باپ کے انتقال میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے جسم لرز اٹھتا ہے۔ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا۔ ہند ان کی فکر میں تھیں، چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبر بن مطعم

کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قتل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیئے جائیں گے چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشیؓ نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا، اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لیے اگل دینا پڑا (حضرت ابوسفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام:

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، ہند بھی نقاب پہن کر آئیں، جس سے اس وقت یہ فرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچانے نہ پائے، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے ہاتھ کیس جو حسب ذیل ہیں

ہند: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے کن ہاتھوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ (ﷺ): خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا، لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ (ﷺ): چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں یہ

بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ (ﷺ): اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: دیننا ہم صغار اوفتنتم کبار افانت وهم اعلم ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبعوض خیمہ نہ تھا۔ لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامہا۔<sup>۲</sup>)

غزوات:

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور اس لیے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تاہم جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا۔ چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابوسفیانؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات:

حضرت ہندؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔ اسی دن حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ نے بھی وفات پائی تھی ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ

۱ صحیح بخاری۔ ۲ اصابع ۸ ص ۲۰۶۔ ۳ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۲۔



کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی، کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوسفیانؓ نے وفات پائی (ابوسفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہند کا نکاح کر دو۔ انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کی ضرورت نہیں!

اولاد:

اولاد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق:

حضرت ہندؓ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے ماہہ الامتياز ہو سکتے ہیں، صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے:

كانت امرأة لها نفس وانفة ورأى وعقل.

”ان میں عزت نفس، غیرت رائے و تدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی۔“

فیاض تمہیں، حضرت ابوسفیانؓ ان کو ان کے حوصلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیانؓ مجھے خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔



## (۴۱) حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب اور اسلام:

ام کلثوم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ابن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، والدہ کا نام اروی بنت کریم تھا۔ اس بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اخیانی بھائی بہن ہیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت:

سے ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پاپیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلیں تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آنے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔ اس لیے آپ ﷺ کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهَا جَرَّابٌ فَمَتَّحْنُوهُنَّ اللَّهُ

أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾

”مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ

لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان

ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس بھیجو۔"

نکاح:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اب تک کنواری تھیں اس لیے حضرت زید بن حارثہ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا نکاح کیا گیا، لیکن جب زید نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں آئیں، لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف سے نکاح ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات:

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ والی مصر تھے۔

اولاد:

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے زینب اور حضرت عبدالرحمن بن عوف سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔



## (۲۲) حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

زینب قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ بن عبد اللہ بن عبد الاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا پہلے برہ نام تھا، آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا۔

عام حالات:

۳ھ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینب رضی اللہ عنہا شیر خوار تھیں، والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی پیروں چلنے لگیں تو آنحضرت ﷺ کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب و رنگ باقی رہا۔

حضرت عبد اللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دو لڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی لاشیں لاکر رکھی گئیں، انہوں نے انا اللہ پڑھا اور کہا کہ ”مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا۔“

۱. اصابع ج ۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد۔

۲. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱ باب استحباب تعبیر الاسم للصحیح الی حسن۔

## وفات:

بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۳۷ھ میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ میں تشریف لائے۔

## فضل و کمال:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فضل و کمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں! اسد الغابہ میں ہے:

كانت من افقه نساء زمانها.

”وہ اپنے عمر کی فقیہ بیوی تھیں۔“

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں! آپ ﷺ کے علاوہ حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب بنت جحش سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابو عبیدہ، محمد بن عطاء، عراق بن مالک، حمید ابن نافع، عروہ، ابوسلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی۔



## (۲۳) حضرت ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

امیہ نام تھا، باپ کا نام صبیح یا صفح بن الحارث تھا۔

اسلام:

اگرچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو ان کے صاحبزادے تھے، مسلمان ہو چکے تھے تاہم وہ مشرک تھے۔ ایک دن انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت ناگوار ہوا۔ روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا ”حضور ﷺ! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمائیے“ آنحضرت ﷺ نے دعا کی ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا، غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کلمہ پڑھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرط مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو خبر کی، آنحضرت ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ مشہور ہیں۔



## (۴۴) حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

خولہ نام ام شریک کنیت قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں۔  
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرہ بن ہلال بن فالح  
بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہشہ بن سلیم۔

نکاح:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات:

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان بن  
مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہ نے دوسرا نکاح کیا، اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح  
بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے پندرہ حدیثیں روایت کیں، راویان حدیث میں حضرت  
سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، بشیر بن سعید، عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے کانت امرۃ صالحۃ، وہ ایک نیک بی بی تھیں، مسند میں ہے  
تصوم النهار و تقوم اللیل ”یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں“۔

۱ مسند ج ۶ ص ۴۰۹۔

۲ بخاری ج ۲ ص ۷۶ (باب هل للمرأة بهب نفسها لاعداء) (تہذیب ج ۲ ص ۲۱۵)

ابتداءً زیور کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ ﷺ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دیجیے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں!





## (۲۵) حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

حمنہ نام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمیشہ ہیں، سلسلہ نسب اوپر گزر چکا ہے۔

نکاح:

حضرت مصعب بن عمیر سے نکاح ہوا۔

عام حالات:

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں، مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبیعات، اس سے یہی بیعت مراد ہے، چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید کے حالات میں ہم اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت کی، وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، چنانچہ رفیدہ اور ام کبشہ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے، نکاح کیا۔ اٹک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے، ان میں حضرت حسان اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے: ۱

و طفقت اختها حمنة تجارب لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب  
الافك.

”یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمزہؓ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک  
کہ اور اصحاب افک کی طرح برباد ہوئیں۔“

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت  
عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند  
کریں! لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا،  
چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ  
تھیں، حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمزہؓ کے دو لڑکے پیدا ہوئے، محمد اور عمران، محمد کو سجاد کے  
لقب سے شہرت تھی۔



فَالصَّالِحَاتُ قَبِيحٌ حَفِظْتُ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ

سیر صحابہ  
(جلد ششم، حصہ دوم)

# اُسوة صحابیات

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لیے ازواج مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیات کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

از  
مولانا عبدالسلام ندوی

ناشر

042 - 7223506 : فون : فضل الہی مارکیٹ  
چوک اردو بازار لاہور

اسلامی پبلسنگ

# فہرست مضامین

## اُسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
20	تسبیح و تہلیل	14	ابواب الصوم	4	دیباچہ
20	مقدمات مقدسہ کی زیارت	14	صائمہ الدبرہنا	6	قبول اسلام
	فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا	14	نفل کے روزے رکھنا	7	اعلان اسلام
21	پابندی قسم	15	مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا	7	تحلل شدائد
21	تعمیل الرسول ﷺ	15	اعتکاف	8	قطع علاقہ
22	برکت اندوزی	15	ابواب الحج	9	عقائد
22	محافظت یادگار رسول	16	حج	9	توحید
23	ادب رسول ﷺ	16	ماں باپ کی طرف سے حج	9	شرک سے علیحدگی
24	حمایت رسول ﷺ	16	عمرہ ادا کرنا۔	10	رسول اللہ کی نبوت پر ایمان
24	خدمت رسول ﷺ	17	ابواب الجہاد	11	عبادات
24	ہبت رسول ﷺ	17	شوق شہادت	11	ابواب الصلوٰۃ
24	نعت رسول ﷺ	17	عمل بالقرآن	11	پابندی جماعت
25	پابندی احکام رسول ﷺ	19	منہیات شرعیہ سے اجتناب	11	نماز جمعہ
26	رضامندی رسول ﷺ	19	مزا میر سے اجتناب	11	نماز اشراق
27	تفویض الی الرسول ﷺ	19	مشتبہات سے اجتناب	12	تہجد و نماز شبانہ
27	ضیافت رسول ﷺ	19	مذہبی زندگی کے مظاہر مختلف	12	ابواب الزکوٰۃ و الصدقات
28	محبت رسول ﷺ	20		13	اعز و اقارب پر صدقہ کرنا
					محتاج کی حسب حاجت امداد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
50	کردینا	38	عزاداری	28	شوق محبت رسول ﷺ
50	تقسیم وراثت میں دیانت	39	محبت اولاد	29	فضائل اخلاق
50	خدمات	39	بھائی بہن سے محبت	29	استغفار
50	نذیبی خدمات	40	حمایت و مددین	29	ایثار
50	اشاعت اسلام	40	پرورش بتائی	30	فیاضی
51	نوسلسوں کا تکفل	41	اموال بتائی کی نگہداشت	30	مخالف سے انتقام نہ لینا
52	خدمت مجاہدین	41	بچوں کی پرورش	31	مہمان نوازی
53	خدمت مساجد	42	شوہر کے مال و اسباب	32	عزت نفس
53	بدمات کا استیصال	42	کی حفاظت	32	صبر و ثبات
54	اقتساب	43	شوہر کی رضا جوئی	33	شجاعت
55	اخلاقی خدمات	43	شوہر کی محبت	33	زہد و تقف
55	نرد بازی کی روک ٹوک	46	طرز معاشرت	34	زندہ دلی
55	شراب خواری کی روک ٹوک	46	غربت و افلاس	34	راز داری
55	ٹوک	46	اباس	34	عفت و عصمت
56	مصنوعی ہال لگانے کی	47	مکان	35	حسن معاشرت
56	ممانعت	47	امات البیت	35	مصالحت و صفائی
56	علمی خدمات	47	زیورات	35	سلہ رحمی
56	علم تفسیر	47	سامان آرائش	36	ہدیہ دینا
62	علم اسرار الدین	47	اپنا کام خود کرنا	37	خاندوں کے ساتھ
70	علم حدیث	48	پہرہ	37	سلوک
70	فن و روایت	49	معاہلات	37	پابھی اعانت
73	علم نقد	49	ادائے قرض کا خیال	38	عیادت
75	خاتمہ مناقب صحابیات	49	قرض کا ایک حصہ معاف	38	تجاواری

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ  
وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں، گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے موجودہ دور کی تعلیم و تربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب، اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں؟ یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے، وہ اس شبہہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کیے ہیں ان سے بھی اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لیے کوئی عمدہ نمونہ قائم نہیں کیا ہے لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپین تمدن اور طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے تو ان کی فطرتی چمک اس سے اور بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے موثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن ان تمام حیثیات کی جامع ہیں

اور ہماری عورتوں کے لیے انہی کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہد صحابہ کے جو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی واقعات جمع کیے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات ﷺ کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمات کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے، متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ مختصر سے رسالہ میں الگ جمع کر دیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ صحابیات ﷺ کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کر لے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لیے مستند اور موثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا، جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بھترین نمونہ بن جائیں گی، اور ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کیے جا رہے ہیں ان کی عملی تردید کر سکیں گی، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ .

عبدالسلام ندوی

شبلی منزل، اعظم گڑھ

۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند و موعظت، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے، پھولوں کی پتھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے اہل جاتی ہیں لیکن تادور درخت کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی اثر نہیں کرتے، بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدو کاوش اور جبر و اکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن اخیسؓ میں حضرت رافعؓ سے مروی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت یوم الاثنین وصلت خدیجۃ آخر

یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثہ ثم ابوبکر.

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دو شنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس

دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علی نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اس



کے بعد زید بن حارثہ اور ابو بکر شریک نماز ہوئے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر

چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چمن کرنلی۔

اعلان اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت

شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جو رستم کے صحابہ

کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا

چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی

خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ،

حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمار کی والدہ حضرت سہیلہ تھیں۔

صحابیات نے اپنی نیک طبیعتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا

بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی چنانچہ صحیح بخاری کتاب التعمیم میں

ہے کہ صحابہ کرام نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس

کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول

اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ

کی نبوت کا یقین آ گیا اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تحمل شدائد:

صحابہ کرام کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت

کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ حضرت سہیلہ نے اسلام

قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں سب سے سخت اذیت یہ

تھی کہ ان مکہ کو تہمتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن ہاں بہر۔

وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا ”مبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے“ لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا حال معلوم تو اس قدر مارا کہ بدن لہو لہان ہو گیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرؤ میں تو اسلام لا چکی ۱؎ لیندہ بی بیؓ کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔ اسی طرح وہ زنیہ بی بیؓ کو بھی جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت اذیت دیتے تھے۔  
قطع علائق:

صحابہ کرام ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرام سے بھی زیادہ نازک تھی انسان اگر چہ اپنے تمام اعزہ و اقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دار و مدار شوہر کی اعانت و امداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس و بیچارہ ہو جاتی ہے لیکن بایں ہمہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے اسلام کے لیے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَمْسُكُوا بُعْضَهُمُ الْكُوفَرِ﴾

”کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو۔“

تو جس طرح صحابہ کرام نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی، اسی طرح بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مانعلم ان احداً من المهاجرات ارتدت بعد ايمانها.  
 ”ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر مرتد ہوئی ہو۔“

## عقائد

### توحید:

کفار نے صحابیات رضی اللہ عنہن کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا، حضرت ام شریکہ ایمان لائیں تو ان کے ازہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب وہ دھوپ میں جل رہی تھیں روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی پلاتے تھے جب اس سمیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ”جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو“ وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الہی کا انکار مقصود ہے، بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس پر قائم ہوں۔  
 شرک سے علیحدگی:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور عقائد کی پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے لیکن صحابیات نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے حضرت زینبہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تھیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزی نے

اندھا کر دیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات وعزئی کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے!

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے پھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار کسی بچے کے سر ہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا ”رسول اللہ ﷺ ٹوکے سخت ناپسند فرماتے تھے!“

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ”ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے“۔

حضرت ابوظلمہؓ نے جب ام سلیم سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا ”ابوظلمہؓ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اگا ہے اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے“ بولے ”مجھے معلوم ہے“ بولیں کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ تو حید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان:

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کا نقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دلوں پر بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا ایک بار آپ ﷺ نے ایک لڑکی کو بدعادے دی کہ ”تیرا سن زیادہ نہ ہو“ اس نے شدت اعتقاد کی بنا پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا آپ ﷺ نے مجھے یہ بدعادی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا وہ بدجو اس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا آپ نے میری قیمہ کو یہ بدعادے دی ”آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو ایسی

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت زبیرہ۔ ۲۔ ادب الضر وہاب الطیر زمن الجن۔

۳۔ طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہ۔ ۴۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم۔

بد عبادوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لیے پاکی تزکیہ اور نیکی ہوگی!

## عبادات

### ابواب الصلوٰۃ

#### پابندی جماعت:

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے اور اس بنا بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے تاہم بعض صحابیات پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں ایک بار ان سے لوگوں نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے!

#### نماز جمعہ:

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں ایک صحابیہ تھیں جو اپنے کھیتوں میں چغندر بویا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہ کو کھلاتی تھیں!

#### نماز اشراق:

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اس کا التزام کر لیا تھا

۱۔ مسلم کتاب البرد الصلۃ الأدب باب من لعت فی سبلی اللہ علیہ وسلم وسہ ودعا علیہ

۲۔ بخاری باب هل علی من لا یشہد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغيرہم

۳۔ بخاری کتاب الحج فی قول اللہ عزوجل فادا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا من الارض وانعموا من فضل اللہ

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں!ؕ

تہجد و نماز شبانہ:

صحابہ کرام تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیات بھی شریک ہوتی تھیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو تہجد کے لیے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْفِكَ رِزْقًا نَحْنُ نَزَّلْنَاكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ؕ

حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا۔ؕ

## ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوئیں لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے ننگن تھے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں فرمایا ”تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے میں اس کے ہاتھ میں آگ کے ننگن پہنائے انہوں نے یہ سنا تو فوراً ننگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔ؕ

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیات کا مجمع تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دامن پھیلانے ہوئے تھے اور صحابیات اپنے کان کی بالیاں گلے کے بار اور انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں،ؕ حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک

۱۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب الصلوٰۃ الضحیٰ۔ ح موطا کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل۔

۲۔ بخاری کتاب الاطعمہ باب الخف۔ ح ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ہو زکوٰۃ الخلی۔

۳۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبہ و باب الصلوٰۃ۔

لوٹھی تھی انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لے کر بیٹھیں اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہما آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دے دو بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا، اے اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا:

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار ہو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ تمہیں جاؤ، وہ آئیں تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہ بھی موجود تھیں دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند تیسوں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ان کو دو دو ثواب ملیں گے۔ ایک قربت کا دوسرا صدقہ کا۔

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابوسلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔

ایک صحابیہ نے اپنی ماں کو ایک لوٹھی صدقہ دی تھی ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا صدقہ کا ثواب تمہیں مل چکا اور اب وہ لوٹھی تمہاری وراثت میں داخل ہوگئی۔  
محتاج کی حسب حاجت امداد:

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں غزوہ احد میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداء کے کفن کے لیے دو کپڑے لائیں لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش تھی اسی طرح برہنہ نظر آئی دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری

کے لیے ایک کپڑا بھی نہ ہونا پاتا تو ایک کا قد بڑا نکلا مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا اور جو کپڑا جس کے حصے میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔

## ابواب الصوم

صائم الدھر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ سے بھی لیت و لعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدھر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں حضرت ابو امامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی، لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے کہ خدا مجھے نفع دے آپ نے روزہ کا حکم دیا اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیاری علامت ہو گئی، اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا ہے۔  
نفل کے روزے:

بعض صحابیہ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے روکا تو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔  
مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیات نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہ نے رسول اللہ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس پر



روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ آپ نے ان کو اجازت دے دی! **اعتکاف:**

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لیے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج نے بھی خیمے نصب کروائے۔

## ابواب الحج

**حج:**

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیات کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لیے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہ نے رسول اللہ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا 'بہترین جہاد حج مبرور ہے' اس کے بعد ان کا کوئی سال سے حج سے خالی نہ گیا۔

صحابیات جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں اس کا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔ بہت سے صحابہ حجۃ الوداع کی شرکت کے لیے جا رہے تھے راستے میں رسول سے ملاقات ہوئی تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔

صحابیات فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالا یجزم کرتی تھیں ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پایادہ جانے کی نذر مانی 'رسول اللہ سے دریافت کیا تو آپ

۱۔ بخاری کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم۔ مع ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف۔

۲۔ بخاری کتاب الحج باب حج النساء۔ مع ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصیام الحج۔

نے فرمایا 'پاپیادہ بھی چلو' اور سوار بھی ہولو' اگر کسی مجبوری سے حج فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی رسول اللہ کا گزر ہوا دیکھا کہ رو رہی ہیں فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا' فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے' تمام مناسک حج ادا کر لو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو'۔

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا:

صحابیات نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے باپ پر حج فرض ہو گیا تھا لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے' کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کروں؟ آپ ان کو اس کی اجازت دی' ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا' وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے حج نہیں کیا کیا میں اس کی جانب سے یہ فرض ادا کروں؟ آپ نے ان کو بھی اجازت دی'۔

عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی سے ادا کرتی تھیں اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں تو خیمے میں آ کر دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں' وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دفعہ (حج و عمرہ) کا ثواب لے کر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا فرمایا کوئی حرج نہیں خداتم کو عمرہ کا بھی ثواب عطا فرمائے گا' چنانچہ آپ نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو ساتھ کر دیا اور مقام معجم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔

۱ بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔ ۲ ابوداؤد کتاب المناسک باب فی افراد الحج۔

۳ بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ۔ ۴ مسلم کتاب الصوم باب قضاء الصیام عن المیت۔

۵ بخاری ابواب العمرۃ کتاب الحج۔

## ابواب الجہاد

### شوق شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی اس لیے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا حضرت ام ورتق بنت نوفل ایک صحابیہ تھیں جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید مجھے درجہ شہادت حاصل ہو جائے آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا یہ معجزانہ پیش گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی انہوں نے دو غلام مدبر کیسے تھے دو دونوں نے ان کو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں!

## عمل بالقرآن

صحابیات پر قرآن کا شدت سے اثر پڑتا تھا ایک بار حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾

”جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔“

نہایت سخت ارشاد ہوا کہ عائشہؓ میں سچو تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

﴿لَسَوْفَ نَحْسَبُ جَسَدًا يُبْزَا﴾

۱۔ مہربان ناموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لیے قدرتی طور پر لوگ آقا کی موت کے تحملی ہوتے ہیں۔ حج ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب المذبح التمام۔

”خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا۔“

فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں رد و قدح ہوگی۔ اس اثر پذیر ی کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ نے حضرت سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اس لیے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت: ﴿أَذْعُوهُمْ لِأَنبَاءِهِمْ﴾ ”ان کو ان کے حقیقی باپوں کے بیٹے کہہ کر پکارا کرو۔“

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔<sup>۱</sup>

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پردائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں اس لیے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾

”عورتوں کو چاہیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیں۔“

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں میں اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں۔<sup>۲</sup>



<sup>۱</sup> ابو داؤد کتاب الجنائز باب الامراض المكفرة الذنوب۔ ح ابو داؤد کتاب النکاح باب من حرم بہ۔

<sup>۲</sup> ابو داؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالیٰ ولیضربن بخمرھن۔

## منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب:

راگ باجا تو بڑی چیز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹمہر جاؤ تاکہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ چلو تاکہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں!

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے داخل ہوئی گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔  
مشتبہات سے اجتناب:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو چیز مشتبہ نہیں ہے، حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں، صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا وہ مرگئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہوگئی صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں ماں اس کی مالک ہوگئی تھیں اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہوگئی تھیں اس لیے وہ ان کو

دراشت میں مل سکتی تھی اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اور اب وہ تمہاری دراشت میں آگئی!

حضرت اسماءؓ کی ماں قہیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی، ایک بار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لے کر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لیے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہؓ کی ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا آپ نے اس کے قبول کرنے کی اجازت دے دی!

## مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

### تسبیح و تہلیل:

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی ہے، ایک صحابیہؓ سامنے نکلری یا گھٹلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، اس کے بعد ایک دعا بتادی۔<sup>۱</sup>

### مقامات مقدسہ کی زیارت:

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا تھا ایک بار ایک صحابیہؓ بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی، صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لیے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے کہا مسجد نبویؐ میں نماز پڑھ لو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزاروں نمازوں سے بہتر ہے۔<sup>۲</sup>

۱ ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرہل۔ بہ ابیہ تم یومی۔ ۲ طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت اسماءؓ۔

۳ ابوداؤد کتاب ابواب قضریح شہر رمضان باب تسبیح یا لسی۔ ۴ مسلم باب الصلوٰۃ مسجد المدینہ و مکہ۔

ایک صحابیہ نے مسجد قبا تک پایادہ جانے کی نذر مانی تھی، ابھی پوری کرنے بھی نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں!

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا:

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا اس لیے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا، ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھینک دی۔

پابندی قسم:

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے معافی مانگ لی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں:

انی نذرت والنذر شدید ”میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ نہایت سخت ہے۔“

بالآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا تو اس کفارہ قسم میں ۴۰ غلام

آزاد کیے۔

۱. موطنی امام محمد باب الرجب خلف بالمشی الی بیت اللہ۔

۲. ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب العباس فی الصلوٰۃ۔

۳. بخاری کتاب الاموال باب الحج۔

## تجلیل رسول ﷺ

### برکت اندوزی:

صحابیات ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لیے جو بچہ پیدا ہوتا، صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔  
محافظت یادگار رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس ایک جہہ محفوظ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اس کو لے لیا اور محفوظ رکھا چنانچہ جب کوئی شخص آپ کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کے لیے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتیں تھیں۔

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ رکھا تھا چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کبیل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔

جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نخوڑ کر

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرک۔ ۲۔ مسند ابن فضال جلد ۶ ص ۳۴۸۔

۳۔ ابوداؤد کتاب اللباس فی باب لبس الصوف والشر۔

۴۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نيار بوس۔



ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں!

غزوہ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا، وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے!

ایک دن آپ ام سلیم کے مکان پر تشریف لائے گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیم نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا!

آپ حضرت شفاء بنت عبد اللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے اس غرض سے انہوں نے آپ کے لیے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوایا تھا جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے اور یہ یادگاریں ایک مدت تک آپ کے خاندان میں محفوظ رہیں آخر میں مروان نے ان سے لیے لیا!

ادب رسول ﷺ:

صحابیات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت ﷺ کے ادب و عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں، ایک صحابیہ فرماتی ہیں:

جمعت علی نبیہا فالتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

”میں نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔“

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر رورہی تھی آپ کا گزر ہوا تو فرمایا ”خدا سے ڈرو اور صبر کرو“ بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پرواہ ہے؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا

۱ بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قونا فقال عندہم۔ ج مسند ابن ضبل جلد ۶ ص ۳۸۰۔

۲ ابو داؤد کتاب اللہاس باب فی لبس الصوف والشعر۔ ج طبقات ابن سعد تذکرہ ام سلیم۔

۳ ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحلال اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ۔

یہ رسول اللہ ﷺ تھے دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا۔  
حمایت رسول ﷺ:

صحابیات اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طلیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے بڑا مستحق تھا اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتیں تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی خاطر لڑتیں۔<sup>۱</sup>  
خدمت رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادمہ رسول کا لقب حاصل ہوا۔<sup>۲</sup>

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لوٹتی تھی انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا ”اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تانفس واپس آؤں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی۔<sup>۳</sup>  
ہیبت رسول ﷺ:

رسول اللہ ﷺ کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں کہ جسم پر ریشہ پڑ جاتا تھا ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کو مسجد میں اکڑ دیکھا وہ دیکھا ان پر آپ کے اس خشوع و خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔<sup>۴</sup>  
نعت رسول ﷺ:

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجا بجا یہ شعر گاتی پھرتی تھیں:

۱ ابو داؤد کتاب الجنائز باب مصر عند الصدرة۔ ۲ استیعاب تذکرہ حضرت خطیب بن عمر۔ ۳ ابو داؤد کتاب الطب باب الحجامة۔ ۴ کتاب التعلق باب فی التعلق علی الشرط۔ ۵ شامل ترمذی ماجاء فی طلیعہ رسول اللہ ﷺ۔ ۶ یہ مصنف کا سہو ہے۔ سفینہ صحابیہ نہیں بلکہ صحابی تھے۔ (محمد عرفان الحسن)

نحن جنوار من بنی النجار یا حبذا محمدا من جار

”ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں“

طلع البدر علینا من نسیات الوداع

”عمیہ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے“

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

وجب الشکر علینا ماعسی لہ داعی

”جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے“

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آئیں تو چھو کر یاں دف بجا بجا کر

واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں ان میں ایک یہ مصرعہ گایا:

وفینا نسی بعلم ما فی غد

”ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے“

تو آپ نے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں!

پابندی احکام رسول ﷺ:

صحابیات رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں

آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے صحابیات

نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحش کے بھائی کا

انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں تو انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو

لگائی اور کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے آپ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت

کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں اس لیے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روزہ کے بعد

تیل لگایا خوشبو ملی اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف آپ کے حکم کی تعمیل متسو، تھی!

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا، تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: انزلوا الناس علی قدر منازلہم۔ ”لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو۔“

ایک بار آپ مسجد سے نکل رہے تھے دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جل کر چل رہے ہیں عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں۔ اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے! رضامندی رسول ﷺ:

صحابیات کو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی اس لیے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامند کرنے کی کوشش کرتی تھیں آپ جب حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بی بیوں ساتھ تھیں سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے اسی قدر وہ اور زیادہ روتی تھیں جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کا حکم دیا اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کر دیا، اب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لیے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں اس غرض سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں، حضرت عائشہ نے آمادگی ظاہر کی اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو عفراتی رنگ میں رنگا ہوا تھا پھر اس پر پانی کے

چھینے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے اس کے بعد آپ کی خدمت میں گئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ نے فرمایا عائشہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے بولیں:

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء<sup>۱</sup> ”یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔“

تفویض الی الرسول:

عورت کے لیے نکاح کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے لیکن صحابیات نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا تھا اس لیے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ بخوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں حضرت فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہ بن زید کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی لیکن حضرت فاطمہ بنت قیس نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنا دیا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہے نکاح کر دیجیے!

حبیب<sup>۲</sup> ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے اس لیے صحابہ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے ایک بار آپ نے ان کے لیے ایک انصاری لڑکی سے پیغام نکاح دیا انہوں نے کہا اس کی ماں سے مشورہ کر لوں ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی مجھے آپ کے حوالے کر دو خدا مجھے ضائع نہ کرے گا<sup>۳</sup>۔

ضیافت رسول:

اگر خوش قسمتی سے صحابیات کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت و محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں ایک بار آپ حضرت ام حرام<sup>۴</sup> کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان

۱۔ مسند ابن ضہب جلد ۶ ص ۳۲۸۔ ج نسائی کتاب النکاح الخلفہ فی النکاح۔

۲۔ مسند جلد ۳ ص ۲۳۲۔ ج ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ركب البحر فی الغزو۔

کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جائیے“ آپ نے فرمایا ”خدا تم پر اور تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے“<sup>۱</sup>

بعض صحابیات خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں ایک بار حضرت ام ایمنہؓ نے آٹا چھانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لیے بھی اس قسم کی روٹیاں تیار کروں لیکن آپ نے کمال زہد و تقشف سے فرمایا ”آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو“<sup>۲</sup>

محبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے اور وہ اس کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتی تھیں حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابا یعنی میں آپ پر قربان ہوں۔<sup>۳</sup>

آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لیے نذریں مانتی تھیں ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی۔<sup>۴</sup>

شوق صحبت رسول ﷺ:

صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا نہایت شوق رہتا تھا حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا اب وہ تمام دنیوی جھگڑوں سے آزاد تھیں اس لیے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا۔<sup>۵</sup>

۱۔ مسند ابن فضال جلد ۳ ص ۳۹۸۔ ۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ۔ ۳۔ نسائی کتاب الخیض باب شہود الخیض العیدین و دعوت المسلمین۔ ۴۔ ترمذی کتاب المناقب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب۔

۵۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ۔

## فضائل اخلاق

### استغناء:

فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت، خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا اس لیے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے حضرت فاطمہؓ بیٹو گھر کے کام کاج سے تنگ آ گئیں تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوٹھی غلام آئے حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں شرم کے مارے واپس آئیں!

### ایثار:

فیاضی ایک اخلاقی وصف ہے لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تو انہوں نے یہ تختہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

كنت اريدہ لنفسي ولا وثلون به اليوم على نفسي.

”میں نے خود اپنے لیے اس کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔“

ایک دن وہ روزہ سے تھیں گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی انہوں نے لوٹھی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو اس نے کہا انظار کس چیز سے کیجیے گا بولیں دے تو دو شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا لوٹھی کو بلا کر کہا ”یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔“

۱۔ البداء و کتاب الآداب فی التبع - ج بخاری کتاب المناقب باب تصیۃ امیہ۔

۲۔ موطا امام مالک کتاب الجامع باب الترمیہ فی الصدقہ۔

## فیاضی:

صحابہ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات و استحکام حاصل ہوا، حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

حضرت عائشہؓ ہی سوا اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس فیاضی سے روکنا چاہا تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ حضرت اسماءؓ اس سے بھی فیاض تھیں حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں جب معتد بہ سرمایہ جمع ہو جاتا تھا تو اس کو تقسیم کر دیتی تھیں لیکن حضرت اسماءؓ کل لیے کچھ نہیں رکھتیں تھیں روز خرچ کر دیا کرتی تھیں۔

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے بولیں کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے انہوں نے کہا ”نہیں“ فرمایا اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس روپے بھیجے بولیں کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی فوراً آدی بھیج کر ان کو بلوایا اور دس ہزار درہم دے دیئے انہوں نے اس رقم سے ایک لوٹری خرید لی اور اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔

ازواج مطہرات جن جن میں حضرت زینبؓ بنت جحش نہایت فیاض تھیں وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی مساکین کو دے دیتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھے سب سے پہلے ملے گا اس بنا پر ازواج مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں حضرت زینبؓ کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی موقع

۱۔ صحیح بخاری۔ ۲۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش۔ ۳۔ ادب المفرد باب السخاۃ۔

۴۔ طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ۔ ۵۔ اسما بہ تذکرہ حضرت زینب بنت جحش۔



نہیں مل سکتا لیکن صحابیاتؓ کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی؟ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہی تھی لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں، بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں، مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہؓ کو خود اعتراف ہے:

وہی اللتی تسامینی فعصمها اللہ بالورع۔

”وہ اگرچہ میری حریف تھیں، لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا۔“

انتقام تو بڑی چیز ہے، صحابیاتؓ اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت معاویہؓ بن خدیج نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے، حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا ”ان میں کوئی عیب نہ تھا، سب لوگ ان کے مداح رہے، اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے، اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے، اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا غلام دے دیتے تھے، حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا استغفر اللہ، اگر میں ان سے اس بنا پر بغض کروں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! اس کو جو شخص میری امت کے ساتھ ملامت کرے، تو بھی اس کے ساتھ ملامت کر، اور جو شخص اس پر سختی کرے، تو بھی اس پر سختی کر،“

مہمان نوازی:

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان

آتے تھے وہ اکثر انہی کے مکان پر ٹھہرتے تھے!  
عزت نفس:

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں ”جینا قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط نہ قبول کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے“ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوزے کی مار برداشت کر لی جائے۔“

صبر و ثبات:

مردوں پر نوح کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا لیکن فیض تربیت نبویؐ نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابوظلمہؓ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لیے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابوظلمہ سے نہ کہنا وہ شام کو ملے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے یہ کہہ کر کھانا لائیں اور انہوں نے کھانا کھایا، صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریہ دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو اس کے روک رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے ”نہیں“ بولیں تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو“

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس آئے تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ و اقارب کا حال پوچھنے آئیں انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں وہ آئیں آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو انہوں نے انا اللہ پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی آپ نے پھر فرمایا ماموں حمزہؓ ابن عبدالمطلب پر بھی صبر کرو۔ انہوں نے اس پر بھی انا اللہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب حجاج سے معرکہ آراء ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بیمار تھیں وہ ان کے پاس آئے اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے بولیں شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے میں مرنا پسند نہ کروں گی یا تم شہید ہو جاؤ اور میں تم کو صبر کر لوں یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا، حضرت اسماءؓ باوجود پیرانہ سالی کے یہ عمر تکا منظر دیکھنے کے لیے آئیں اور بجائے اس کے کہ روتی پیتیں، حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ گھوڑے سے نیچے اترے! شجاعت:

غزوات میں صحابہ کرام نے جس طرح داد شجاعت دی، صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں!

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا، ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا، حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے اس کو قتل کر دو، بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں، اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کی ایک بیخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ زہد و تقشف:

صحابیات نہایت زہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں: نورا ٹمبھر جاؤں میں اپنی نقاب سی لوں، اس

۱. استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر۔ ج ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی السلب علی القائل۔

۲. اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔

نے کہا ”اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے، بولیں ”جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا۔“  
زندہ دلی:

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تروتازہ اور شگفتہ کر دیا تھا اس لیے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی، عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے اور مسرت سے ترانے گاتے تھے۔  
رازداری:

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا، جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا، ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں آپ نے ان کو مہربان کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی وہ چیخ مار کر رو پڑیں پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں آپ چلے گئے تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی بولیں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔  
عفت و عصمت:

اسلام نے پاکیزہ اخلاق کی جو تعلیم دی ہے اس نے صحابیات کو عصمت و عفت کا مجسمہ بنا دیا، ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہ تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہنواب وہ زمانہ گیا اور اسلام آیا، اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگیں، مسیکہ ایک لونڈی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

۱۔ ادب المفرد باب الرفق فی العیث۔ ۲۔ بخاری کتاب العیدین باب سنت العیدین لائل الاسلام۔

۳۔ مسلم کتاب الفہائل مناقب فاطمہ۔ ۴۔ مسند ابن ضہبیل جلد ۳ ص ۱۸۷۔

﴿ لَا تُكْرَهُوا قَبَائِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ ﴾ ۱۔

”اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔“

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا وہ اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جا کر دیکھ لو وہ اس غرض سے اس کے گھر گئے عورت نے پردہ سے کہا ”اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر“ ورنہ تمہیں خدا کی قسم“ ۲۔

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدا نخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرم عقل و ہوش پر بجلی گر پڑتی تھی حضرت عائشہؓ کے کانوں میں جب واقعہ الکب کی بھٹک پڑی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں لڑ رہ بخار آ گیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی“ ۳۔

## حسن معاشرت

مصالحت اور صفائی:

اگر بہ متقہائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی لیکن غفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا ۴۔

صلہ رحم:

حضرت زینبؓ اپنے اعزہ اقارب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتی تھی حضرت

۱۔ البوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنا۔ ح سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب انظر الی المرأة اذا اراد ان۔

۲۔ بخاری کتاب بدء الخلق قول اللہ عزوجل لقد کان فی ہوسف و احواتہ آیات للسائلین۔

۳۔ بخاری کتاب الادب باب الحجرة۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ولم ارامرأة قط خيرا فى الدين من زينب واتقى الله وصدق حديثا  
واوصل للرحم!

”میں نے زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والے عورت نہیں دیکھی۔“

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد اور لاشہ پائی تھی اور ان کو ایک لاکھ رقم حضرت امیر معاویہؓ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور حضرت ابن ابی تلیق پر جو ان کے قرابت دار تھے بہہ کر دیا۔

صحابیات کی صلہ رحمی صرف مسلمان اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماءؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں ان کے پاس آئیں اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے اس لیے صحابیات ایک دوسرے کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت نسیمہ انصاریہ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں، ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیہ بھیجا۔

۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ۔ ۲۔ بخاری کتاب الہبت باب ہبۃ الواحد للجماع۔

۳۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل الصدقۃ والصدقۃ علی الاقرین۔ ۴۔ مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لائل الذم۔ ۵۔ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قدر کم عطلی من الزکوٰۃ والصدقۃ من اعطی شاة۔

حضرت بریرہؓ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواجِ مطہرات کو ہدیہ دے دیا کرتی تھیں! خادموں کے ساتھ سلوک:

صحابیاتِ خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر کر دی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی حضرت ام الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے! یا ہی اعانت:

صحابیاتِ معصیت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی، لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں!۔

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھ درد کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقہ سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبتیں برداشت کر رہی ہیں ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی دیکھئے اس کا چہرہ اس کے دوپٹے سے زیادہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

والنساء بنصر بعضهم بعضاً.

”عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں“۔

۱۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب احوال الہدیۃ للنسی ولبنی ہاشم ولبنی عبدالطلب وان کان الہدی ملکہا بطریق الصدق۔ ۲۔ مسلم کتاب البر والصلوۃ واداب باب الہدی عن لبن الدوات وغیرہ۔ ۳۔ مسلم کتاب واداب باب احوال المرآۃ الاچتہ الاہمیت فی الطریق۔ ۴۔ بخاری کتاب اللہایا باب الغیاب الاضر۔

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں!

عیادت:

صحابیات ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداءؓ اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی!

تیمارداری:

صحابیات نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے تو حضرت ام الحسلاؓ اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحسلاؓ نے محبت کے لہجے میں کہا ”تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی ہے۔“

حضرت زینبؓ مرض الموت میں بیمار ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیمارداری کرے گا؟ تمام بیبیوں نے کہا ”ہم“ ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا ”ہم“!

عزاداری:

صحابیات عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جارہی ہیں پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لیے گئی تھی۔<sup>۵</sup>

عرب جاہلیت میں عزاداری کا طریقہ یہ تھا کہ عورتیں برادری میں جا کر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو منادیا چنانچہ جب عورتیں اسلام

۱۔ اذیہ الفرد باب عیادة الصبیان۔ ۲۔ ایضاً باب عیادة النساء الریحل المریض۔ ۳۔ بخاری کتاب الشہادات باب القرعۃ فی المشکلات۔ ۴۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینبؓ۔



لاتی تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا تو بولیں، فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا ہے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے، چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے یا

محبت اولاد:

صحابیات بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دی اور بچے کو اس سے لینا چاہا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ ”میرا پیٹ اس کا ظرف، میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا جب تک تم دوسرا نکاح نہ کر لو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو، اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس خصوصیت کی مدح فرمائی:

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد وارعاھن علی الزوج۔  
 ”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہروں کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔“

بھائی بہن سے محبت:

صحابیات اپنے بھائی بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں، حضرت عبداللہ ابن ابی بکر کا مقام حبش میں انتقال ہوا اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے:

وکنناکند مانی حذیمة حقبہ من اللہر حتی قیل لن یتصدعا  
 ”اور ہم دونوں ایک مدت تک جذبہ کے ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے یہاں تک کہ ادگوں

۱۔ مسلم کتاب البیئز باب التحدیث فی النیاح۔ ۲۔ ابوداؤد کتاب الطلاق باب من اقل بالولد۔

۳۔ بخاری کتاب النکاح۔

نے کہا ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔“

فلما تفرقنا كان ومالكاً بطول اجتماع لم بنت ليلة معاً  
”لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود ملاقات کے ایک  
رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی“

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے تو ان کی بہن صفیہؓ آئیں کہ مقل میں  
ان کا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا، بالآخر رسول اللہؐ  
کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے کہیں ان کی عقل نہ جاتی رہے اس  
لیے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے اتنا لہ پڑھا اور رونے لگیں۔

حضرت رقیہؓ بیٹھنے کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں حضرت فاطمہؓ ان کی  
قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔  
حمایت والدین:

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک  
بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی حضرت  
فاطمہؓ دوڑ کے آئیں اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا اور کفار کو برا بھلا کہا۔  
پرورش یتیمی:

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے:

انا وكافل الیتیم كھاتین فی الجنة.

”ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس

قدر یہ دونوں انگلیاں قریب قریب ہیں۔“

اس لیے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں حضرت زینبؓ متعدد یتیموں  
کی پرورش کرتی تھیں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ

۱ ترمذی کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الزیارة للقبور للنساء۔ ۲ طبقات ابن سعد، ذکرہ حضرت حمزہؓ۔

۳ مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۳۵۱۔ ۴ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب المرأة تطرح عن المصلیٰ حیما من الاذی۔

میں اپنے شوہر اور ان قیہوں پر صدقہ کروں تو جائز ہے؟ دوسری صحابیہ بھی اس غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں حضرت بلالؓ نے اطلاع کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا“ؑ

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کے بچے یتیم ہو گئے تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں۔  
قیہوں کے مال کی نگہداشت:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں قیہوں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وابتسوا الیمنی حتی اذا بغوا النکاح الخ اس بنا پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیتی تھیں حضرت عائشہ قیہوں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیں۔  
بچوں کی پرورش:

صحابیات بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے اس لیے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہو جائے گی وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انس خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن ہاں ہر جب آپ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے اس لیے مجھے خوف ہے کہ میں شوہر کا حق ادا کروں گی تو بچوں کی طرف سے بے پروائی

۱ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحج۔ ح موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب الزکوٰۃ فیمن اکل من الخبث والتمر والتمر۔ ح موطائے امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب اسوال الیتامی والتجارۃ لیسما۔ ح طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیم۔

کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کر لوں گی) کا حق ادا نہ کر سکوں گی! شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت:

زن و شوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھربار کی حفاظت کرے اور صحابیات میں یہ دیانت پائی جاتی تھی حضرت اسماء بنت ابی بکر کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے وہ عجیب نکلتش میں مبتلا ہوئیں فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھی لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں بولیں ”اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو مشکل پڑے گی زبیر کی موجودگی میں آؤ اور مجھ سے سوال کرو“ وہ اسی حالت میں آیا اور کہا ”یا ام عبد اللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا“ حضرت زبیر نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟

وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دے دی۔ وہ نہایت فیاض تھیں اس لیے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا جو کچھ ہو سکے دو۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون انھیں اور کہا ہم اپنے بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لیے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو۔“

۱ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ ۲ مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأة الاحقیہ اذا ائیت فی الطريق۔ ۳ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحد فی الصدقہ ولو بالتقلیل۔ ۴ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المرأة تصدق من بیت زوجها۔

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناهن علی الولد وارعاهن علی الزوج.  
 ”قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔“

شوہر کی رضا جوئی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حوالاؓ عطر فروش تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میں رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سو رہتی ہوں لیکن اس پر بھی ذہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا ”جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو“۔<sup>۱</sup>

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہؓ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اس کو اس لیے بنایا ہے کہ آپ کے لیے سنگار کروں۔<sup>۲</sup>  
 ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا، بولیں ”اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہ سے گر جائے گی“۔<sup>۳</sup>

شوہر کی محبت:

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینبؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا اور وہ گرفتار ہو گئے

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت حوالاؓ۔ ج ۱ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب المنز ما حود زکوٰۃ البخی۔

۲۔ نسائی کتاب الزکوٰۃ۔

رسول اللہ ﷺ نے اسیران جنگ کو فد یہ لے کر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار بارہ جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا ابوالعاص کے فد یہ میں بھیج دیا!

حضرت حمزہؓ بنت جحش کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔ حضرت عمر کو اہل و عیال کے ساتھ بہت زیادہ شغف نہ تھا، تاہم ان کی بی بی حضرت عائکہؓ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں۔<sup>۳</sup>

حضرت عائکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عائکہؓ نے ایک پردہ مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فالیت ننفک عین حزینة علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پر نم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی، دعوت و لیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے انہوں نے عائکہؓ یہ شعر یاد لایا تو رو پڑیں، حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردہ مرثیہ لکھا اس کے بعد ان سے حضرت زبیرؓ نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عائکہؓ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا۔<sup>۴</sup>

شوہر کی خدمت:

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دل سوزی سے کرتی تھیں رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوا لیا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں۔<sup>۵</sup> ایک بار آپ کبیل اوزھہ کرمسجد میں آئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پردہ نظر آتا ہے، آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج

۳ ابوداؤد کتاب الجہاد فداء الاسیر بالمال۔ ح سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت۔

۴ صحیح مطا کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلة للصیام۔ ح اسد الغابہ تذکرہ عائکہؓ بنت زید۔

۵ ابوداؤد کتاب الطہارة باب غسل المسواک۔

دیا، حضرت عائشہؓ نے کنورے میں پانی منگوا یا خود اپنے ہاتھ سے سے دھویا اور خشک کیا اور اس کے بعد آپ کے پاس بھیج دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔

جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں ہدیٰ بھیجتے تھے تو وہ ان کے گلے کا قلاوہ بنی تھیں۔ صحابہ کرام جب تمام دنیا کی خدمت و اعانت سے محروم ہو جاتے تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بیویاں ان کا ساتھ دیتی تھیں، رسول اللہ ﷺ تحلف غزوہٴ تبوک کی بناء پر حضرت بلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوزھے آدمی ہیں، ان کے پاس نوکر چا کر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے ارشاد ہوا ”نہیں“۔

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لیے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی، لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا یعنی ایک مدت معینہ کے لیے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزار ہی میں مصروف رہتی تھیں۔



۱. البدایہ و کتاب الطہارۃ باب الامارۃ من النہایۃ یكون فی الشواب۔ ۲. البدایہ و کتاب المناکب باب الطہیب عند الاحرام۔ ۳. ایضاً باب من لاث بہد۔ ۴. بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوک۔

## طرز معاشرت

### غربت و افلاس:

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان، اثاثہ البیٹ اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

### لباس:

صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی، حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب و حیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی، سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا!

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی، رسول اللہؐ نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دو سری عورت اپنی چادر اوڑھالے!ؑ

شادی بیاہ میں دلہن کے لیے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بناتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔ؑ

۱۔ ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد۔ نظر الی شعر مولات۔

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین۔

۳۔ بخاری کتاب الہبہ باب الاستقارۃ للعرس عند البناء۔



## مکان:

غربت و افلاس کی وجہ سے صحایات کے مکان نہایت مختصر پست اور کم حیثیت ہوتے تھے گھروں میں چائے ضرورت تک نہ تھی! اس لیے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا دروازوں پر پردے نہ تھے! راتوں کو جلانے کے لیے چراغ تک میسر نہ تھے! اثاث البیت:

صحایات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان تھے یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لیے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا! اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔ زیورات:

صحایات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں احادیث کی کتابوں کے تتبع و استقراء سے بازو بند کڑے، بالی ہار انگٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لوگنگ کا بار بھی پہنتی تھیں جن کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہرہ یمانی کا تھا۔<sup>۵</sup> سامان آرائش:

صحایات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانہ سے نکلتی تھیں تو منہ پرورس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرہ سے داغ دھبے مٹ جائیں! خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔ اپنا کام خود کرتا:

صحایات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبوب ترین

۱ بخاری قصۃ الالک - ج ابو داؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثالث - ج صحیح بخاری۔

۲ ابو داؤد کتاب الطہارت باب فی الرمل یصیب منہا ما دون الجماع - ۵ ایضاً باب فی البتیم۔

۳ ایضاً باب ما جاء فی وقت النساء۔

صاحبزادی تھیں لیکن چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزے میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، حجاز ودیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے!

ازواج مطہرات باری باری گھر کا کام دھندھا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہ کی باری تھی، جو پیسے اور اس کی روٹی پکانی اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں، آپ آئے تو جگایا، حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی وہ اس قدر منگلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کے لیے گھاس لاتی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے سائیس کے لیے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطعہ زمین بطور جاگیر کے دیا تھا، جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا، حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں، آٹا گوندھتیں، روٹی پکاتیں،<sup>۱</sup> گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں، جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر تھی،<sup>۲</sup> بعض صحابیہ کپڑے بنتی تھیں۔<sup>۳</sup>

پردہ:

عہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا ساختہ پردہ رائج نہ تھا، تاہم عورتیں بالکل بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں۔ محلہ میں سفر کرتی تھیں،<sup>۱</sup> نقاب پوش رہتی تھیں،<sup>۲</sup> اور غیر محرم سے پردہ کرتی تھیں حضرت عائشہؓ بیسیا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں جب لوگ

۱ کتاب الخروج والامارة باب فی بیان مواضع قسم الخمس ولہم ذی القرنی۔ ۲ ادب المفرد باب لایوذی جارہ۔

۳ مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المرأة الاجنبیة اذا اعیت فی الطريق وبخاری کتاب النکاح۔

۴ اسد الغابہ تذکرہ فلیس۔ ۵ بخاری کتاب البیوع باب النساء۔ ۶ ابوداؤد کتاب النساک باب

فی الصبی الحج۔ ۷ ابوداؤد کتاب النساک باب المس الحرم۔

ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے، لوگ گزر جاتے تھے تو پھر منہ کھول دیتے تھے!ؕ

ایک بار حضرت فلاح بن ابی القیسؓ حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے وہ پردہ میں چھپ گئیں بولے ”تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تو تمہارا چچا ہوں“۔ بولیں کیونکر؟ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے، بولیں ”مرد نے تو دودھ نہیں پلایا“۔ؕ

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا۔ وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں صحابہ کرام نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھو دیا ہے، شرم و حیا کو تو نہیں کھوایا۔ؕ

ہمارے زمانہ میں پردہ ایک رکی چیز ہے، مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر وہ ہمیشہ پردہ کرے گی، لیکن دو چار بار کسی نامحرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لیے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رکی پردے کی پابند نہ تھیں، ان کا پردہ بالکل شرعی تھا، اگر شریعت اجازت دیتی تھی، تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں، حضرت عائشہؓ بیٹھنا کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں، اس لیے وہ حضرت ابو عبد اللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے آتی تھیں اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں ایک دن وہ آئے اور کہا کہ ”خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے تھے اس لیے حضرت عائشہؓ نے پردہ گرا دیا اور عمر بھران کے سامنے نہ ہوئیں۔ؕ

## معاملات

### ادائے قرض کا خیال:

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں

۱۔ ابوداؤد کتاب المناکح باب فی المحرم اتغلی، جہا۔ ۲۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب فی لبن المثل۔  
۳۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم علی غیر ہم من الامم۔ ۴۔ نسائی کتاب الطہارۃ باب مع المرأۃ راہا۔

لمتی ہیں؟ بولیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ قرض کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اپنی جانب سے اس کے لیے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو میں اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں! قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا:

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا، اس نے جب بدل کتاب ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجیے! انہوں نے کم کر دیا۔  
تقسیم وراثت میں دیانت:

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت بہہ کیے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لیے بہہ نامکمل تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت بہہ کیے تھے اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لیے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔

## خدمات

سیاسی خدمات میں صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصحابہ میں تذکرہ شفاء بنت عدویہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

## مذہبی خدمات

### اشاعت اسلام:

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے اور اس میں ابتدائے اسلام

۱۔ مسند ابن ضہیل جلد ۶ ص ۹۹۔ ۲۔ طبقات ابن سعد تذکرہ مصباح بن سرحس۔

۳۔ موطنائے امام مالک کتاب الاقضیہ باب الملاجوز من النخل۔

ہی سے صحابیات کی مساعی جیلہ کا کافی حصہ شامل ہے چنانچہ حضرت ام شریکہؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔

ایک غزوہ میں صحابہ کرام پیاس سے بے تاب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلے تو حسن اتفاق سے ایک عورت مل گئی جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب عورت کے گھاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

حضرت ام حکیم بنت الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود توفیح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے حضرت ام حکیم نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔

حضرت ابوطیہ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیم سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا تم کافر ہو اور میں مسلمان نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کر لو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی؟ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔  
نو مسلموں کا تکفل:

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھر یا زائل و عیال اور مال و جائیداد سے کٹنا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ

۱۔ اسد اللغات ذکرہ حضرت ام شریکہ۔ ج بخاری کتاب الفسل باب الصعدہ الطیب وصورہ المسلم۔

۲۔ موطنے امام مالک کتاب النکاح باب نکاح الحرک الذی اسلمت زوہتہ قبلہ۔

۳۔ اسد اللغات ذکرہ حضرت زینب بنت علی بن ابی طالب۔

اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ نو مسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کا گھر ان نو مسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، حضرت درہ بنت ابی لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں ۵

### خدمت مجاہدین:

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے اسی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھیں ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کام زخیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا اور وہ اس خدمت کو نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یا رسول اللہ! ہم اون کا تکی ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتی ہیں ہمارے ساتھ زخیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیرا ٹھاٹھا کر دیتی ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتی ہیں ۵

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں ۵ غزوہ احد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں اور وہ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر لاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں ۵

۱۔ مسلم کتاب الطلاق باب المطلقہ ثلاثہ نفقہ لہا کتاب الفتن و اشراط و الساعۃ باب خروج فی الدجال۔

۲۔ اصحابہ تذکرہ درہ۔ ۳۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المرأۃ والعبد عند یان من الغنیمۃ۔

۴۔ مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات یرضعن لبن و لایمہن و لیس عن قتل صبیان اہل الحرب۔

۵۔ ایضاً باب غزوۃ النساء مع الرجال

حضرت ریح بنت مسعود کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوئی تھیں پانی پلاتی تھیں، مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں! حضرت رفیدہؓ نے مسجد نبویؐ میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمے میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں کیا گیا۔

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی، ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجیے بولے ام سلیطہ اس کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں اور ہم کو پلاتی تھیں۔

### خدمات مساجد:

صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد نبویؐ میں تھوک دیا تھا رسول اللہؐ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ انھیں اور اس کو منادیا اور اس جگہ خوشبو لگائی آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہؐ نے اس کی نہایت قدر فرمائی، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرامؓ نے انہیں راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہ دی آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی بولے حضورؐ اسراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہیں کیا۔

### بدعات کا استیصال:

بدعت مذہب کے لیے بمنزل گھمن کے ہے اس لیے باثر صحابیات ہمیشہ اس بات

۱ بخاری کتاب الجہاد باب روا النساء والقتلہ - ۲ اصابہ تذکرہ رفیدہ - ۳ بخاری کتاب الجہاد باب  
محل النساء القرب الی الناس فی الغزوہ - ۴ نسائی کتاب الصلوٰۃ باب تخلیق الی المسجد -

۵ سنن ابن ماجہ کتاب البیاض باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی القمر -

کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں گھن نہ لگنے پائے مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب غلاف چڑھایا جاتا تو پرانا غلاف چراچھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں اس کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں قرآن ان میں رکھتے ہیں، مسجدوں میں لٹکاتے ہیں اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوا اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے اس لیے شیبہ سے کہا کہ ”یہ تو اچھی بات نہیں تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو!“

احساب:

جو چیز مذہب و اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرر فرمادیئے ہیں:

من رای منکم منکر افلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان. (مسلم)

”تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے منادے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔“

اور با اثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بی بیؓ ایک گھر میں مہمان اتریں، میزبان کی دولہ کیوں کو جو جوان



ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہیں ہیں، تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر ان کے پاس آئے اور معمولی طور پر جھٹ پٹ وضو کر کے چلے، حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ عبدالرحمن وضو اچھی طرح کیا کرو، رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیجے اس پر جہنم کی پھینک ہوگی۔ ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو، رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کوچاک کر دیا، پھر فرمایا، تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائی ہیں اس کے بعد گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔

## اخلاقی خدمات

نرد بازی کی روک ٹوک:

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نرد بازی، شطرنج اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ دارو گیر کی چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں تو سخت برا فروخت ہوئیں اور کہا بھیجا کہ اگر نرد کی گولیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔

شراب خواری کی روک ٹوک:

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام و نام سے آشنا ہوئے جن میں ایک ہاذق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف

۱۔ مسند جلد ۶ ص ۹۶۔ ۲۔ ایضاً ص ۳۸۵۔ ۳۔ مسند جلد ۶ ص ۱۴۰۔ ۴۔ مولانا مالک کتاب المہاس۔

۵۔ ادب المفرد باب الادب و اخراج الذین طعمون بالفرد۔

انگوری شراب پر ہوتا ہے اس بنا پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں بالا اعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوہارے تک بھگوئے جائیں پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے منکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ہر شئی چیز سے منع فرمایا ہے! مصنوعی بال لگانے کی ممانعت:

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بد اخلاقیوں پھیل گئی تھیں ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگا دیتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اس کی ممانعت فرمادی تھی آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیات نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ”میری بیٹی دلہن بنی ہے لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں کیا مصنوعی بال جوڑ دوں؟“ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے!

## علمی خدمات

علم تفسیر:

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت بھی کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لیے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ بیٹھنے کا ایک ہارگم ہو گیا تھا رسول اللہؐ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا، وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھی واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی اس پر آیت تمیم نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہؓ بیٹھنے کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جزاک اللہ خیرا فواللہ ما نزل بک اھرقط الا جعل اللہ لک منہ  
مخرجاً وجعل المسلمین فیہ برکتہ۔

”خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے  
تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔“

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بی بی حضرت خولہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

﴿قد سمع اللہ قول الی تجادلک﴾

”خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی۔“

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کر دیا تھا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد  
سے آ رہے تھے راہ میں ان سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں ”اے عمرؓ میں  
نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے اور اب تو تمہارا لقب  
امیر المؤمنین ہے، پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الہی  
سے ڈرے گا اس پر بعید قریب ہو جائے گا اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہو جانے کا  
خوف لگا رہے گا“ ایک شخص جو ساتھ میں تھے بولے بی بی تم نے تو امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ  
ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا، جانے دو یہ خولہؓ بنت حکیم ہیں اور عبادہ بن صامتؓ کی بی بی ہیں  
اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر سے ان کی بات سن لی تھی پھر عمر رضی اللہ عنہ کو تو اور سننا چاہیے“

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف و عزت کے لیے کافی ہے اس کا  
ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور  
صحابیات کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورہ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی  
کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں  
اس بنا پر ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق  
ہے تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا  
جا سکتا ہے اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم تفسیر میں اکابر صحابہ

۱ اسابتہ ذکرہ خولہ۔

کی ہمسری اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں! ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایتیں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے استفسار فرمایا ہے اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے مثلاً ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسب عذب قیامت میں جس کا حساب ہوا اس پر عذاب ہو گیا، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتا ہے:

﴿فَسَوْفَ يَحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ اور اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا ”یہ اعمال کی پیش ہے، لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی وہ برباد ہی ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ خدا فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَتَرَوُنَّ اللَّهُ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ﴾

”جس دن زمین سے دوسری زمین بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی۔“

ایک دوسری آیت یہ پڑھی:

﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٍ بِيَمِينِهِ﴾

”تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔“

لیکن جب زمین و آسمان میں کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا:

صراط پر۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا اتُوا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَّةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾

”جو لوگ کام کرتے ہیں خوف زدہ دل سے کرتے ہیں، وہ اپنے خدا کی طرف رجوع کریں گے۔“

حضرت عائشہؓ بڑی سخیہ کوشک تھا کہ جو چور ہے بدکار ہے شرابی ہے لیکن خدا سے ڈرتا ہے، کیا وہ بھی اس سے مراد ہے آپ نے فرمایا نہیں عائشہؓ، اس سے وہ مراد ہے جو نمازی ہے، روزہ دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر خدا سے ڈرتا ہے دوسری آیتیں جن کے متعلق

! ماخوذ از سیرت عائشہؓ، سیرت عائشہؓ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں۔

دوسروں کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے مثلاً:

● اعمال حج میں سے ایک کوہ صفا و مردہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا ﴾ (بقرہ)

”صفا اور مردہ کی پہاڑیاں شعائر الہی میں سے ہیں پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے۔“

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو خدا یوں فرماتا: ”لا جناح علیہ ان لا یطوف بہما“ اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ ہرج نہیں اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی جے پکارا کرتے تھے منات مشلل میں نصب تھا اس لیے صفا اور مردہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے اب کیا حکم ہے اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مردہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ ابو بکر بن عبدالرحمن ایک محدث تھے ان کو حضرت عائشہؓ بیسینا کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا علم اس کو کہتے ہیں۔“

● قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ حَتَّىٰ إِذَا سْتَأْنَسُ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ﴾

”یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی۔“

عروہ نے پوچھا و کذبوا (جھوٹ بولے گئے یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) یا کذبوا (وہ جھٹلائے گئے) فرمایا کذبوا (جھٹلائے گئے) عروہ نے کہا اس کا تو ان کو یقین

ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی یہ ظن اور خیال تو نہ تھا اس لیے کذبوا (ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا) صحیح ہے بولیں معاذ اللہ پیغمبر ان الہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا عروہ نے پوچھا پھر آیت کا مطلب کیا ہے فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروؤں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول کیا اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا اور امداد الہی میں ان کو تاخیر نظر آئی یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب نہ کر دیں کہ دفعۃً خدا کی مدد آگئی۔

③ جس آیت پاک میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَإِنْ حَفِظْتُمْ إِلَّا تَقْسِيُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ

مُنْثَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعًا ۖ﴾ (نساء)

”اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں

سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔“

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے ہیں ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لیے مجبور پا کر اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک انہیں لوگوں کو خطاب کرتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے پیش نہ آ سکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کر لو مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

﴿يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ

فِي يَتَامَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ۖ﴾

”ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔“ (ساء)

اسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے اس سے وہی آیت مراد ہے یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کوڑ دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے:

• اس آیت کے مطلب میں لوگوں کا اختلاف ہے:

﴿مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾  
 ”جو تو نگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہیے اور جو تنگ دست ہو وہ قاعدے کے مطابق اس سے لے لے۔“

یہ آیت اولیائے یتامی کی شان میں ہے کہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال سے لے کر کھا سکتے ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾  
 ”جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔“

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لیے بیان کی گئی ہے جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ نہ لینا چاہیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے اس

تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے:

⑥ عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے:

﴿ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ (نساء)

”اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے نارضا مندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو بہر حال بہتر ہے۔“

لیکن دفع ناراضی کے لیے صلح کرنا تو ایک عام بات ہے اس لیے خدائے پاک کو اس حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن سے اتر گئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے زن و شوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں ان سے دقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔

علم اسرار الدین:

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کیے جاتے ہیں اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد محمد کیے ہیں باقی اس فن میں اور صحابیہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ



بہت کم شامل ہے بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کر دی ہے وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور نہیں لیکن حضرت عائشہ کے مسائل کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ ہے اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابہ سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کی پردہ کشائی کی ہے اور یہ کثرت مسائل کے علل و اسباب بیان کیے ہیں مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی اس لیے ان کو حضور صلوٰۃ اور شرکت جماعت کی اجازت تھی لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہ نے صاف صاف کہہ دیا:

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعنہن

المساجد کما منع نساء بنی اسرائیل ۛ

”عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لیے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔“

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے اور مدنی سورتوں میں تدریج و امر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا اس لیے اس کو پہلے نظیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تھے تو اسلام کے احکام و قوانین اور امر و نواہی نازل ہوئے اگر زنا و شراب خوردی فیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا تو دفعۃً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے لیکن حضرت عائشہ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:

ماخوذ سیرت عائشہ۔ ج ۱، البوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ما ہما فی خروج النساء الی المسجد، المجلد ۱، فی ذالک

انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا تاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا تنزوا لقالوا لا ندع الزنا ابداً لقد نزل بمكة وانا جارية العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده (باب تالیف القرآن).

”قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اتر ا اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترتا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمات میں تھی۔“

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، قتل ہو گئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو سب نے اس کو اپنے لیے رحمت سمجھا چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا اس لیے ان کی راہ میں کسی نے موانع نہیں پیدا کیے اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا:

كان يوم بعث يوماً قدمه الله لرسوله فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد افترق علوهم وقتلت سرواتهم وجووا فقدمه الله لرسول في دخولهم الاسلام. (بخاری کتاب الفسامة فی الحاملية)

”جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لیے پہلے ہی سے پیدا کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہو گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے اس لیے خدا نے اپنے رسول کے لیے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ واقعہ پہلے ہی سے مہیا کر دیا ہے۔“

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں، قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ہوتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں:

فرضت الصلوة رکعتین ثم هاجر النبي صلى الله عليه وسلم وفرضت اربعاً وتركت صلوة السفر على الاول. (بخاری باب ہجرت)

”مکہ میں دو رکعتیں نماز کی فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئیں“

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں اس لیے بظاہر اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں:

وهم عمر انما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلوة ان يتحرى طلوع الشمس وغروبها. (مسند احمد جلد ۶ ص ۱۴۴)

”عمر کو وہم ہوا آپ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے۔“

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ عبادت میں تشابہ نہ ہو۔ احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے اس بنا پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا:

حين حطمه الناس. (ابوداؤد باب صلوة القاعد)

”یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہو گئے۔“

ابوداؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کی اور روایتیں بھی مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا یہ جواب دیتی ہیں:

فانہا وتر النهار (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے۔“

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔ نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوۃ الفجر لطول قراتہا. (مسند جلد ۶ ص ۲۴۱)

”نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لیے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی

سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔“

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

کانوا یصومون یوم عاشوراء قبل ان یفرض رمضان وکان یوم تستر فیہ

الکعبۃ. (مسند احمد جلد ۶ ص ۲۴۳)

”اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے تھے

کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔“

باوجود یہ کہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی لوگ جمع ہوئے چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے، صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانہ لم یخف علی شانکم اللیلۃ ولکنی خشیت ان تفرض  
علیکم صلوة اللیل فتعجزوا.

”رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔“

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا، بعض مقامات پر دوڑنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں نکل کر پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبيت بالصفاء والمروة ورمى الجمار لا قامۃ ذکر  
الله عز وجل. (مسند احمد جلد ۶ ص ۶۴)

”خاتہ کعبہ صفا اور مروہ کا طواف نکل کر پھینکنا تو صرف خدا کی یاد کرنے کے لیے ہے۔“

قرآن مجید کے ارشادات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی عبادت کا زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا، چونکہ حج یادگار ابراہیمؑ ہے اس لیے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔ مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہؐ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اس بناء پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں اور آپ کے قیام کی وجہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ کان منزلا اسمح لخروجه  
”آپ نے یہاں صرف اس لیے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی ہے۔“

حضرت ابن عباسؓ اور ابو رافع بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہم زبان ہیں! ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے بہت سے صحابہؓ اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا حضرت عائشہؓ ہی سنیٰ بھی ان ہی لوگوں میں ہے اور اس وقتی حکم کا سبب بتاتی ہیں:

لاولکن لم یکن یضحی منہم الا قلیلا ففعل ذالک لیطعم من ضحی من لم یضح. (مسند جلد ۶ ص ۱۰۲)

”یہ نہیں کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی۔“

حضرت عائشہؓ ہی سنیٰ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا اس سال آپ نے یہ حکم دیا اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا تو اس کو منسوخ فرما دیا حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی اس قسم کی روایت ہے!۲

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا ”ہاں“ عرض کی کہ پھر بتاتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا اس لیے اتنا کم کر دیا پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا یہ اس لیے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں جس کو چاہیں روک دیں۔“

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ ہی سنیٰ کی روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے

کہ آپ نے اسی لیے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیم کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی ہے کہ ”عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیمیؑ پر تعمیر کراتا۔“

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ جہاں آباد تھے، کیسے ہی امن وامان کا مالک ہو لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے:

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احد هم بدینه الى الله والى رسوله  
مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه  
حيث شاء ولكن جهادونية. (بخاری باب الهجرة)

”اب ہجرت نہیں ہے، ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا، اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے، ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرتے ہیں وہی دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصلی سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه لعن  
الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لولا ذلك ابرد  
قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجداً.

”آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں

۱۔ مسلم باب تنفيس الكعبه۔

نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لیے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے۔

(بخاری آخر کتاب الجنائز دسمند احمد جلد ۶ ص ۱۲۱)

علم حدیث:

محمد شین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

① اول طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار اسی طبقے سے ہیں۔

② دوسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

③ تیسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اسی میں محسوب ہیں۔

④ چوتھا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقے میں بکثرت صحابیات شامل ہیں مثلاً ام المومنین ام حبیبہ، ام المومنین میمونہ، ام عطیہ انصاریہ، ام المومنین حفصہ، اسماء بنت ابی بکر، ام ہانی رضی اللہ عنہا۔

⑤ پانچواں طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں اس طبقے میں بھی بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام قیس، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت ربیع بنت مسعود، حضرت سبرہ بنت صفوان، حضرت کلثوم بنت حصین غفاری، حضرت جداء بنت وہب وغیرہ۔

فن درایت:

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتدا صحابیات سے ہوئی۔

یعنی حضرت عائشہ نے بعض روایتوں پر درایت تنقید کی اور اس سے درایت کے





ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون  
 ”تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے“

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:

انهم ليعلمون الا ان ما كنت اقول لهم حق

”وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا۔“

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا آنتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ﴾

”اے پیغمبر ﷺ! تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبر میں ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی بات سن ہی نہیں سکتے تھے یا

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ

کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب

حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

فَأَنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾

”جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے

ان پر کوئی ملامت نہیں۔“

اس لیے ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت جائز نہیں ۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکائیوں میں (ماں باپ

بچہ) بدتر ہے حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو

رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کے علاوہ وہ

ولد الزنا بھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ

برائے یہ ایک خاص واقعہ تھا عام نہ تھا، خدا خود فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ "کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا"

یعنی تصور تو ماں کا ہے بچہ کا کیا گناہ ہے! جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

علم فقہ:

عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب علم نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال و استفار کے ذریعہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت کیے جاسکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لیے کہ قرآن مجید نے سوال کی ممانعت کر دی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے، مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہؐ سے تیرہ مسائل دریافت کیے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں!

اس بنا پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرآن و امارت سے ان اعمال کے شروط ارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے! لیکن صحابیات کو اس طرح سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان نہیں کیے جاسکتے تھے! اس لیے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال و استفار کی ضرورت پیش آتی تھی! چنانچہ خود حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم يكن يمنعهن الحياء ان يفتقهن في الدين.

"انصار یہ عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تعلقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی تھیں۔"

غرض اس طریقہ تعلیم سے صحابہ و صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان

۱۔ اصحابہ سیوطی بحوالہ حاکم۔ ج مسند دارمی ص ۲۹۔ ج مجتہدہ البانیہ مطبوعہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۲۔

۲۔ مسلم کتاب الطہارت باب استحباب استعمال المخلط من الخبث قرصہ من مسد فی موضع الدم۔

کے تین طبقے قرار پائے:

- ① مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔
- ② مقلدین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔
- ③ متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب

ذیل ہیں:

مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا داخل ہیں۔  
متوسطین میں جن کے فتاویٰ رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

مقلدین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں، ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں، مثلاً حضرت ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، یعلیٰ بنت قالفؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ام شریکؓ، حضرت خولاءؓ، حضرت عاتکہ بنت یزیدؓ، حضرت سہلہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ وغیرہ۔



## (خاتمہ)

## مناقب صحابیات رضی اللہ عنہن

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ تمام صحابہؓ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام صحابہؓ میں افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی بات کتاب ”المسلل والنحل“ میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات و احادیث کے جوابات بھی دیئے ہیں جس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو جوہ فضیلت قائم ہو سکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابو بکر صدیق کے پاس فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں یعنی حضرت خدیجہ اور سیدہ یام ام ایمن۔ چنانچہ بخاری مناقب ابو بکرؓ میں حضرت عمارؓ سے روایت ہے:

راء یت رسول اللہ ﷺ وما معہ الا خمسۃ اعد و امرقان و ابو بکر  
 ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف  
 پانچ غلام اور دو عورتیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔“

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الحجرت ہے اور اس

فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہریؒ "املل والنخل" میں لکھتے ہیں:

فليسانشك ان المهاجرات الاولات من نساء صحابة رضى الله عنهم  
 يشار كن الصحابة في الفضل ففاضلة ومفضولة وفاضل ومفضول  
 ففیهن من يفضل كثيرا من الرجال وفي الرجال من يفضل كثيرا منهم  
 وما ذكر الله تعالى منزلة من الفضل الا وترون النساء مع الرجال فيها  
 كقوله تعالى "ان المسلمين والمسلمات" ۱

"ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیبیوں میں مہاجرات اولات  
 فضیلت میں صحابہ کی شریک ہیں۔ ان میں کسی عورت کو کسی عورت پر اور کسی مرد کو  
 کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے۔ عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر  
 فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت  
 رکھتے ہیں، خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ  
 عورتوں کو نہ شامل کیا ہو، مثلاً خدا کا یہ قول کہ "مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں"۔

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے، اور اس ہجرت میں ایک  
 صحابیہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا چنانچہ حضرت  
 ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا  
 حال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمیوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا  
 اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، سو اتفاق سے کشتی حبشہ میں  
 جا پڑی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے ہو گئی،  
 چنانچہ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہؐ نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں  
 اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو، ان لوگوں نے وہاں اقامت  
 اختیار کی، یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں

رسول اللہ سے ملے اس موقع پر ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے ان میں ان کے سوا رسول اللہ نے کسی کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا۔ ان لوگوں سے بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں وہ ایک روز حضرت حفصہ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمر بھی آگئے اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیس، ان کا نام سن کر حضرت عمر نے فرمایا حبشہ ہے۔ یہ بحر یہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے، حضرت اسماء بنت عمیس نے کہا کہ ہاں ہم ہیں، اب حضرت عمر نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ کے مستحق ہیں یہ سن کر حضرت اسماء برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم تم رسول اللہ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کی دور ترین مبنوخ زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور رسول کی ذات کے لیے تھا، خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہ سے نہ کروں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی، خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کجروی اختیار نہ کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، عمر اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں، حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ابوموسیٰ اور دوسرے کشتی والے جو ق در جو ق نیرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے ان کے لیے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور با عظمت نہ تھی، حضرت ابوموسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔ فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسول حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیم (حضرت انس کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

! مسلم باب فضائل حضرت بن ابی طالب و اسماء بنت عمیس و اہل غنیمت۔

چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزار بھی کرتی تھیں بخاری ”کتاب الاستیذان“ میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لیے بچھوٹا بچھا دیتیں آپ آرام فرماتے۔ جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کیا جائے حضرت انس بن مالک کی خالہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو بھی اکثر یہ شرف ہوتا تھا چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں اور آپ ﷺ نوش فرماتے آپ ﷺ سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں۔

مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ایک بار رسول اللہ نے حضرت ام ہانی سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے) اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی یتیم فی صغره و رعاه  
علی زوج فی ذات یدہ۔<sup>۱</sup>

”بہتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں۔“

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ نسلیت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ کو یکساں محبوب تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آ رہے تھے آپ نے ان

۱ صحیح مسلم باب من فضائل ام انس ابن مالک و بلال۔ ۲ بخاری کتاب الجہاد ص ۱۱۔

۳ صحیح مسلم باب من فضائل نسب قریش۔



کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تمہیں بار فرمایا کہ ”تم لوگ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو“۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابیہ اپنے بیچے کو لے کر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اس سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو“۔

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ام ایمن کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں۔ جس طرح رسول اللہ ان سے ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں۔ چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو روپڑیں ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو؟ خدا کے پاس رسول کا جو درجہ ہے وہ نہایت معتبر ہے بولیں میں اس لیے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لیے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس پر دونوں بزرگ بھی روپڑے۔

عام صحابیات کے علاوہ ازواجِ مطہرات کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی جب رسول اللہ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بجد سے میں گر پڑنے لوگوں نے کہا آپ اس وقت بجدہ کرتے ہیں؟ بولے ”جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو بجدہ کر لیا کرو پھر ازواجِ مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی؟“ مقام سرف میں میں حضرت میمونہؓ نے وفات پائی تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی ساتھ تھے بولے کہ ”یہ میمونہ ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو“۔

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ازواجِ مطہرات کے لیے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار میں فروخت کیا گیا۔

۱۔ مسلم بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الناس لی مع مسلم باب فضائل ام ایمن۔  
 ۲۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند آیات۔ مع نسائی کتاب الکفاح۔ ذکرام رسول ﷺ فی الکفاح  
 ۳۔ ازوالہ و ما لہما لہ اللہ عز و جل نوپہ ﷺ۔ ۴۔ ترمذی۔ کتاب المناقب مناقب حضرت عبد الرحمن بن عوف۔

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے، جب ان کے پاس کوئی میوہ اور کھانے کی عمدہ چیز آتی، تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں بھیجتے تھے!

۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کو ساریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو ساریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے۔ ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے!

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لیے دعائے برکت فرماتی تھیں! حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا اس لیے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے، جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے!

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا، اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا، اور آج بھی انہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے بلند کر سکتی ہیں۔

۱۔ موطاء امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب حرمت اہل الکتاب والنجوس۔ ۲۔ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ ۳۔ ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن۔ ۴۔ ادب المفرد باب الکتاب الی النساء وجواہرن۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندوی

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جس نے موقع جنگ پر نیولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا ۱۸۰۸ء میں جب نیولین یونا پارٹ پر نکال کی مہم سر کر چکا تو اپنے بھائی جوزف کو یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دارالسلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا، تمام ملک میں وطن اور قوم کی بے پکاری جانے لگی اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا، اس موقع پر جس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لیے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹس بیورینا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی، جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھالائیں، اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں، اسی جنگی تاریخ کا ایک پرفخر واقعہ یہ ہے کہ اگسٹینا زرالوزا ایک دن ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی، کہ اٹھائے راہ میں ایک خوفناک سین اس کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ گر گیا، دوسرے سپاہی کھڑے ہیں، اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے رکھیں، مگر بندوق کی گولیاں اس زوروں سے برس رہی تھیں، کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے، بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پہنچی، اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا

تھا؛ دیاسلائی لگادی اور اخیر معرکہ تک اس کا دست ہمت مثل نہ ہوا؛ اور وہ برابر کام کرتی رہی۔  
اختتام جنگ پر اگسٹینا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی؛ جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی؛ ملک و قوم نے اگسٹینا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی؛ سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا؛ یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلہ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی؛ جس نے مردانہ لباس پہن کر بطور سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرینس کا محاصرہ کیا؛ پینے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی؛ اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا؛ ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مانوق الفطرت قوت بزور سحر ہے؛ جلادی گئی؛ جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے؛ اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولیہ ہونے کو تسلیم کر لیا۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں؛ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں؛ اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں؛ اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا؛ کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں؛ عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی؛ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں؛ گھوڑوں کی خدمت کریں؛ اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں؛ اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے یہ جوش پیدا کریں؛ غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی انارنا بیض حسان نحاذر ان تقسم او تھونا

ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں؛ ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہو

اخذن علی بعولتھن عھدا اذا لاقوا کتائب معلینا

اور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں؛ ان عورتوں نے میدان قتال میں جان بازی کا اپنے شوہروں سے

لکی یسلبن افراساً و بیضاً و اسری فی الحبال مقرنینا

عہد لے لیا ہے وہ ہمارے ساتھ اس لیے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور  
ضعائن من بنی چشم بن بکر خلطن بمیسم حسباً و دیناً  
دشمنوں کو گرفتار کر لیں یہ چشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ  
خاندانی عزت اور

یقتن جیادنا و یقلن لستم بعولتنا اذا لم تمنعونا  
مذہب بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں  
سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا، جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی  
عورتیں شریک رہتی تھیں، بخاری میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے  
ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

محدث ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی  
مدینہ سے چلی تھیں رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی، جب معلوم ہوا تو رسول اللہ نے  
غضب و نفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت  
دی؟ ان عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ دو امیں ہیں، ہم زخمیوں کو مرہم  
لگائیں گی، بدن سے تیر نکالیں گی، کھانے کا انتظام کریں گی، آپ نے فرمایا خیر ٹھہرو! جب  
خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ نے مال غنیمت سے حصہ دیا۔

ام سلیم اور انصار کی عورتیں انہی خدمات کے لیے اکثر غزووں میں شریک رہی  
ہیں، ربیع بنت معوذ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان جنگ سے  
اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی، ام رفیدہ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ  
زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

ام زیاد اشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں

کو مدد دی تھی وہ میدان سے تیراٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستوپلاتی تھیں! حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کے لیے کھانا پکایا تھا۔

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لیے متعین تھے وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہداء ہوتے ان کو دفن کر دیتے، اغواٹ اور ارمات کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے۔ قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھی اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزم گاہ کی طرف چلے ہمارے ہاتھوں میں لائیاں تھیں، میدان میں جہاں کہیں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھالیا۔

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ قومی ہمدردی غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھی:

- ① زخمیوں کو پانی پلانا۔ ② فوج کے کھانے کا انتظام۔ ③ قبر کھودنا۔
- ④ مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھلانا۔ ⑤ زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔
- ⑥ ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا اور ان کی مدد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے، مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول کی والدہ ام سلیم عموماً غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ ⑤ حضرت طلیب بن عمیر جب اسلام لائے اور اپنی ماں اردوی

① صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ - مصر۔ ② طبری مطبوعہ یورپ جلد ۶ ص ۳۲۱۷۔ ③ ایضاً ج ۶ ص ۳۲۲۲۔

④ طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۶۳۔ ⑤ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔

بنت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی، تو میں آپ ﷺ کی حفاظت کرتی، اور آپ ﷺ کی طرف سے لڑتی!

غزوہ خندق میں رسول اللہ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنو قریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی، جو عورتوں کی حفاظت کر سکے، اسی اثنا میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا، خوف یہ تھا کہ اگر یہودی بنو قریظہ سے کہہ آ یا کہ ادھر عورتیں ہیں، تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے، حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ کی پھوپھی اور حضرت زبیر کی والدہ تھیں، حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں، اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا، مورخ ابن اثیر جزیری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی!

ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں، قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی، ام عمارہؓ بھی شریک تھیں، اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں۔

۱۶ھ میں جب رسول اللہ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا، اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے آپؐ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے، تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا، اس وقت تمام صحابہؓ سے رسول اللہ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی، جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے، ام عمارہ اس بیعت رضوان میں بھی شریک تھیں، مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی

موجود تھیں، بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکٹھے تھے اور آنحضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے اور جان نثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے ادعائے نبوت کیا اور مقام یمامہ میں ایک خون ریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے ام عمارہؓ بھی شریک تھیں اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن ام عمارہ کو بارہ زخم لگے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لیے مشرق کی ان دو پر زور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں رومیوں کا وہ سب سے خوزیر معرکہ جس پر ان کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا جنگ یرموک ہے اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پر زور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صرف کرنا تخت کیانی کے امکان میں نہ تھا جنگ قادسیہ ہے یہ دونوں معرکے تاریخ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لیے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یا بی نصبرت اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے محرم ۱۳ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان کچھ اوپر تین ہزار تھے اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں اور مجروحوں کو میدان جنگ سے اٹھالائے اور ان کی تیمارداری کی۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی:



انکم اسلمتم فلم تبدلوا وهاجرتم فلم تشرىوا ولم تنب بکم البلاد ولم  
تفحکمکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبيرة فوضعتموها بين ايدي  
اهل فارس والسله انکم بنورجل واحد كما انکم بنو امرة واحدة  
ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا واشهدوا اول القتال واخره۔  
”پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی تو تم کو کسی نے  
ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی  
ماں کو اپنے ساتھ لا کر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی  
اولاد ہو، جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی،  
اور نہ میں نے تمہارے ماموں کی فضیحت کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو۔“

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے، جب نظروں  
سے غائب ہو گئے تو اس بوڑھی عورت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا کہ خدایا! میرے بچوں کو  
پہچانا، اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح و سالم اپنی ماں کے پاس آئے، اور غنیمت کا مال ماں  
کے آگے ڈال دیا۔

جنگ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس  
کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک  
منظر پر غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔

طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۔ ع یہ دونوں واقعے جنگ تعداد اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی  
معلوم ہوتے ہیں، لیکن بعض اختلافات ایسے بھی ہیں جو ایک واقعہ نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت نفع کی  
ہے، خنساء قبیلہ سلیم کی ہے، پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے، دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت  
اور جوش سے لبریز ہے، جو خنساء کے شایان شان ہے، طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے  
بیٹے مال غنیمت لے کر صحیح و سالم واپس آئے، ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے  
بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تنخواہ حضرت عثمان کی ماں کو دیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

یابنی انکم اسلمتم وهاجرتم مختارین ووالله الذی لا اله غیره انکم بنورجل واحد کما انکم بنو امرأة واحدة ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم ولا هجنت حسبکم ولا غیرت نسبکم وقد تعلمون ما اعدالله للمسلمین من الثواب الجزیل فی الحرب الکافرین واعلموا ان الدار الباقیة خیر من الدار الفانیة یقول الله عزوجل "یاایها الذین امنوا صبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلکم تفلحون" فاذا اصبحتم غدأ ان شاء الله سالمین فاغدوا الی قتال عدوکم مستبصرین وبالله علی اعدائه مستضرین واذا رائتم الحرب قد شمרת عن ساقها واصظرمت لظی علی ساقها وحللت ناراً علی رواقها فتمموا وطیسها وجالد وارئیسها عند احتدام خمیسها تظفر وابلغم والکرامة فی دار الخلد والمقامة. (اسد الغابہ. ابن اثیر جزری جلد ۵ ص ۴۴۲)

”پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی وحدہ لا شریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو ایک باپ کے بھی بیٹے ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا اور نہ تمہارے حسب و نسب میں داغ لگایا جو ثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لیے رکھا ہو تم اس کو خود جانتے ہو خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے خدائے پاک فرماتا ہے ”مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو۔“ کل جب خیرت سے تم انشاء اللہ صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو خاص آتش دان جنگ کی طرف رخ کرنا اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ سے آگ ہو رہی ہے تو غنیم کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا خدا کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبی میں عزت پاؤ۔“

صبح جنگ چمڑتے ہی خضاء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوئے، خضاء کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا حضرت عمرؓ آٹھ سو دینار خضاء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تحفہ دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے جنگ بویب میں جس کو قادیہ کی تمہید سمجھنا چاہیے مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سا سامان رسد ہاتھ آ گیا، مسلمان عورتوں کو زرمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اس لیے شیخی نے جو فوج کا سپہ سالار تھا یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا، عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحہ کہاں سے آتا، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیس لے کر حملہ کے لیے کھڑی ہو گئیں، عمرو بن عبدالمسک جو اس رسالہ کا افسر تھا پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنائی اور چیزیں ان کے سپرد کیں!

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا آمناسامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے میدان جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ازدہ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا، یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دو بچے کا ایک بڑا علم بنایا اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دو بچوں کی جھنڈیاں بنائی، دونوں طرف کے بہادر دل توڑ حملے کر رہے تھے کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پریم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ فوج اور پہنچی

گئی، غنیم کے بازو ست پڑ گئے اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا! عہد صدیقی میں اول ۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے، مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سرو سامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی، حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے، یہ رائے قرار پائی کہ کل اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی فوجیں لیے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولید نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالد فوج کے آگے آگے جا رہے تھے اور حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے لیے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے، اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں، ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا، قلعہ کے پھانک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا، قیصر روم نے دمشق کے لیے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ بھی آ پہنچیں اور آتے ہی مسلمانوں کا آگ روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہوئی چاہیے تھی وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف کے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت اذور نے کہا ”بہنو! کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کر سکتی ہے کہ مشرکین دمشق کے قبضہ میں آ جاؤ؟ کیا تم عرب کی شجاعت و حمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مرجانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے، ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگادی، خیموں کی چوبیس لے لے کر

باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں، سب سے آگے خولہ بنت ازدر ضرار کی بہن تھیں، اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفازام ابان بنت عتبہ سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں کچھ دیر کے لیے تو حیرت نے دمشقوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرا دیں اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کر دیا، دمشقوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہو کر آگئے دمشق فوج میں جو رستق جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہو گئی اور اسلامی فوج کی عنان عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ کین صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی میں نہایت ماہر تھیں، یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔“

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے، مگر جو نئے عرب میں انتخاب تھے، رومیوں کی بیعت دو لاکھ سے زائد تھی، اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک نکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ یرموک میں ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چونے کا فرق تھا، ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں تو نہ ہٹ سکیں۔

دو لاکھ کانڈی دل اس زور شور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹے ہٹے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا، لٹم و جذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے اور اب مسلمان ہو گئے تھے، میسرہ (ہایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے، رومیوں نے ان کی طرف رخ کیا، تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے، عورتوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی، فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا، دفعۃً پیچھے ہٹ گیا، اب خواتین نے بھاگتوں کو

روک کر پھر آگے بڑھایا، فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے، قریش کی عورتیں تلواریں تھپیٹ تھپیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں! حضرت معاویہ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں! حضرت معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں!۔

يامعشر العرب عضدوا الغلفان بسیوفکم ”عربو! نامرد بن جاؤ نامرد“۔

ضرار بن ازور کی بہت خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں:

ياهاربا عن نسوة تقيات رميت بالسهم والمنيات

”اے پاک دامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو“

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے، ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نورومیوں کو مار ڈالا! جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑیں، محمد بن عمرو اقدی ان میں سے بعض کے نام یہ بتاتا ہے، اسماء بنت ابوبکر صدیق، عبادہ بن صامت کی بیوی، خولہ بنت ثعلبہ، کعب بنت مالک، سلمیٰ بنت ہاشم، نعم بنت قاس، عفیرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جا رہی تھی، ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا، خالد بن سعید نے جنہوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا، یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی، ایک پل کے قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا، جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے، ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے، مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا، ام حکیم بھی

نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے ساتھ آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔  
جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فوج لے کر حضرت علیؑ کے مقابلہ میں آنا،  
ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری ثابت قدمی کا  
اظہار ضرور ہوتا ہے۔

فتوحات واقندی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی  
فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، خصوصاً ام حکیم، ہندام، کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ،  
خولہ، لیلیٰ، عقیقہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام  
دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

عتبہ بن غزوہ حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا، ازدہ بنت حارث جو طیب  
عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی، عتبہ جب اہل مدینہ القرات سے سرگرم تھا، تو اس  
کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی۔

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، تو ما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے،  
تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو  
نکلے اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں، اہل دمشق کو محصور تھے، لیکن شہر پناہ کے  
برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے، سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں  
طلائی صلیب لیے ہوئے ارباب اللہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا، ام ابان کو تیر اندازی میں  
بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر  
پڑی، مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھالی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ  
گئی، تو ماغصے سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، اور پھر اس زور کارن پڑا کہ مسلمان  
گھبرا اٹھے، رومیوں نے صلیب کی واہسی کے لیے لاکھ لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر  
نہ ہوئی، جس نے ادھر کا رخ کیا، ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا، "تو ما" جو کسی طرح  
بچنے کا نام نہ لیتا تھا، ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا تیر مارا کہ وہ چیخا ہوا بھاگا، اس

وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

اما ابان فاطلبی نیارك صولسى عليهم صولة المتدارك قد ضج جمع القوم من نبالك  
”ام ابان تو اپنا انتقام لے اور ان پر پے در پے حملے کیا جا رہی تیرے تیروں سے چیخ اٹھے۔“

برموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب  
وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رویوں کے منہ نہ  
پھیر دیتیں، ہند، خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کیے، اسماء بنت  
ابی بکر گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش  
بدوش لڑتی جاتی تھیں!

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں،  
لڑتی تھیں، پر زور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقا، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار  
میں وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی ہے!

۹۰ھ میں ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی  
کی، تھیہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت  
میں ضرب المثل تھا، اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں، بخارا کے ترک  
بھی بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، قبیلہ ازد نے کہا پہلے تمہا ہم کو زور  
آزمائی کرنے دو، تھیہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے اور نہایت  
بہادری سے حملے کیے، لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا، ترکوں نے اس ثابت قدمی سے  
جواب دیئے کہ ازدی ہتھے ہتھے قیام گاہ تک آگئے، ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے  
مسلمانوں پر حملہ کر دیا، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو چاہتی ہے، وہ اٹھ کھڑی  
ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے، اور ایک عام شور

۱۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فوج الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر و اقدی کی طرف منسوب  
ہے مگر چونکہ فوج الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔





جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کو ذہ بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا، شیب کی جمعیت اس کے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی، لیکن بہادری سے لڑی، حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلارہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی، یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا، غزالہ اور جیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے، جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار کر گرا دیا، شیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر اہواز کی طرف چلا گیا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی، لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریائے دجلہ میں گر پڑا، اور شیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا، تو اس نے کہا یہ ممکن ہے، اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔ بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارے عراق اور حجاز کا نپتا تھا، ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔

اسد علی و فی الحروب نعامة فتحاء تصفر من صغیر الصافر  
 ”حجاج مجھ پر تو شیر ہے، لیکن معرکوں میں بزدل اور ست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے۔“  
 هلا برزت السی غزاة فی الوغی بل کسان قلبک فی جناح الطائر  
 حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ میں کیوں نہ نکلا؟ اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔  
 ۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھی تھیں، انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی تو ہم جہاد کریں گی چنانچہ ایفائے نذر کے لیے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں ۲

۱۷۸ھ ہجری میں ہارون الرشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا، تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اس کی زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فيا شجر الخابور مالک مورقا      کانک لم تجزع علی بن طریف  
 ”اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔“

فتی لا یحب الزاد الا من التقی      ولا المال الا من قنا و سیوف  
 ”ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا۔“  
 فقد ناک فقدان الشباب و لیتنا      قد یناک من فتیاننا بالوف  
 ”اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے جس طرح جوانی کو کوئی کھو دے، کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے۔“

علیہ سلام اللہ وقفافانسی      اری الموت وقاعاً بکل شریف  
 ”ولید پر خدا کی رحمت ہو، موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔“

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پردرد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مرثیہ خساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے

اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے، ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے، نام کچھ بھی ہو۔

قرون وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا، بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کا تب، بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لیے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں، اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں، دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں!

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا، بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے پڑے تھے، جب وہ تھک گئے، اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہیے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر اور کچھ مسلمان بچے ادھر سے نکلے، دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیلروں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا!

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں، بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اور اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرئح ثابت ہوتی ہے۔

سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گونم سلطنت کی مگر سب سے بہتر کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھا ہے کہ ”رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔“ شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے، تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک مرتبہ التمش

۱۔ یہ واقعہ احمد بک آجائف ردی کی کتاب حقوق المرأة والاسلام سے لیا گیا ہے۔ ۲۔ الفتح القہسی فی الفتح القدسی۔

شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے مابڑ توڑ دیا کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تخت حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے ایسا رعب و داب قائم کیا کہ اعیان دولت کا بچتے تھے، بعض امراء نے یہ دکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لیے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے، لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی، ۶۳ھ میں جب حاکم لاہور نے سراٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بمخندہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سرے سے ایک لشکر کو ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لیے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی!

اس سلسلہ میں سلطان علاؤ الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے، شاہان ہند کے مرقع میں علاؤ الدین ظہمی کی تصویر ایک خاص اتمیاری رکھتی ہے، جس کے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکی تھیں، تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا، اس نے ایک دن برسبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے، قلعہ جالور کا راجہ نیر دیو دربار میں حاضر تھا، اس نے نہایت بددماغی سے منکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

تاریخ اکبری قہمی از نظام الدین ہروی ذکر سلطنت رضیہ۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا اور مہلت دی کہ قلعہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لوٹڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لیے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی، راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ ایک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب و غریب انقلاب برپا ہوا، امیر تیمور کیا تھا، ترکستان کی حدود سے ایک آندھی اٹھی تھی، جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی، دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تعلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سو سو برس کے بعد حاصل ہوا، لیکن دراصل اس مدت میں سیدوں اور لودھیوں کا دور حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے مزین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں، اور معرکوں میں گھسی تھیں، بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کوئی حصہ نہ ملے گا؟

تیوری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیوری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کر دو؟ بابر نامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیری دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا کہ تیوری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہ گری سے خوف واقف تھیں، تزک باری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کا بل، سرقد، فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نور جہاں، تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو جنگل کو جاتی تھی اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا، ایک ہاتھی پر رسم خان اور میں تھا، اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی، سامنے جھاڑی میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا، اور پھر عماری میں بیٹھ کر نہایت مشکل ہے، قدر اندازی میں میرے بعد رسم خاں کا کوئی ثانی نہیں، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں، لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا!

ایک مرتبہ نور جہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی، اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے، اس موقع پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گرچہ بصورت زن است در صف مردان "زن شیر اقلن" است  
نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر اقلن کی بیوی تھی، اس لیے "زن شیر اقلن" کی ترکیب نے اس شعر کو ہامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر مہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں

تازک جہانگیری۔

اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خاں کی کوشش تھی کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے ان امر ادا عیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انہوں نے بالاتفاق کہا مناسب یہ ہے کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو، بادشاہ کی قدم بوسی کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پل تو پہلے ہی جلادیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیئے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی، عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو، اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے بازو میں آ کر لگا، تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے، وہ بھی کام آئے، نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرددگاہ پہنچی، سکی، اگر ہاتھی نہ سنبھلا رہتا تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی!

مرزا بہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے، گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو ایک



معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی تو سرداران فوج و امرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی جیتی، اور ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھرا اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سرو سامانی سے بھاگا کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدان جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ:

”نقاب بر قامت رعنا انگندہ براسب سواری شد و خنجر و شمشیر مرصع بکمری بست بعد از آنکہ تلافی صفین و محازات فتنین انفاق افتاد از علو ہمت و علو جرات دلیرانہ بالشکر عادل خوانی مصاف دارہ سپاہ و سرداران را بقتل و حرب و ضرب ترغیب و تحریص نمودہ قدم مردانگی را در آں بحر و غاؤ لجہ بیجان چوں کوہ استوار بر جا داشت، و آں غنیم و دشمن عظیم را شکست فاش دادہ جمع فیان و تو پختانہ در اہست آوردہ سالما و خانما مراجعت بر افروخت۔“

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ ہے:

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکزی شہر بیجا پور تھا، پونجی خاتون اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی، اس کا نابالغ فرزند اسماعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مناد یا جائے؟

پونجی خاتون کمال خاں کے اس ارادہ سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونجی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا، کل مراتب سمجھا بجا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا خبردار کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ کہ کمال خاں کہتا ہے کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونجی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل اور تین سو دکنی اور جشی سپاہی تھے، پونجی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلعہ میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفران نعمت کی ضرور سزا ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو اور دو تین سو جشیوں اور دکنیوں میں سے صرف ۱۷ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونجی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے اپنے قلعہ کو بند کر گیا، اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونجی خاتون، دلشاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، سفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونجی خاتون، دلشاد آغا اور سپاہیوں نے سفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توہنجیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان توہنجیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے، سفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توہنجی لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونجی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توہنجی آگئیں تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا، عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھا کیں، سفدر خاں چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ تھم سکے۔

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سو سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دار الحکومت شہر احمد نگر تھا، اس کی شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا، وہ قابل حیرت امر ہے، چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ، بحری (احمد نگر) اس کا باپ تھا، اور علی عادل شاہ بیجا پوری اس کا شوہر تھا، علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجا پور سے احمد نگر چلی

آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی، شہزادہ مراد اور خانخاناں اس مہم پر بھیجے گئے، اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کر دیا، لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہو گیا، اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لیے ہوئے پڑے تھے، اسی اثنا میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا، منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا ہوا، ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنا لیا، آخر آپس کا نفاق بڑھا، اور خونریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جل کر شہزادہ مراد کو لکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے، آپ ادھر کا رخ کیجیے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالہ کر دوں گا، مراد چل کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگا، راجہ رام چندر، اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی، کیونکہ اس اثنا میں منجھو خاں تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا، ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے، اس نے عزم کر لیا کہ جس طرح ہوگا سلطنت کو بچاؤں گی، اس نے خود پہلے اپنے بعض امراء کو قلعہ سے علیحدہ کر دیا، اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملا لیا، قطب شاہ (گوکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں، اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی، شہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۳ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں، تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ تک پہنچ جائے، مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا، شام کو تھک کر خود ہٹ گیا، دوسرے دن شہزادہ مراد شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خاں، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، بعض نظام

شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا، مگر خانخانا نے جانے نہ دیا، شاہزادہ مراد اور خانخانا مبینوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑے رہے، مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کیے، منجھو خاں اخلاص خاں، آہنگ خاں، امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہو گئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہو گئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا تو گھبرا گیا، تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئیں، اور ان میں بارود بچھادی گئی کہ آگ لگا کر ازاد یا جائے گا۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرتا شروع کر دیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخانا کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دو پہر کو خانخانا کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہو گیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ ازا اور ادھر پہنچا، چاند خاتون اس وقت تک دوسرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جا رہی تھی کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکا ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہو گئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی سرنگیں بھی اڑیں تو مملہ کیا

جائے، لیکن وہ سر نہیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کیے، شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہو گئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لیے چاند سلطان نے بھی عرض صلح منظور کر لی، اور حسب قرارداد برار کا صوبہ شاہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخانان سے، ایسی حالت میں غنیم کو بنا کر قلعہ کو بچالینا، مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آ کر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشہ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطہ اقتدار سے نکل کر دولت فاطمیہ

مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آل صلح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی و مبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مند یوں اور اولوالعزمیوں کے پر وبال پیدا کیے، علی کی ایک چچا زاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرت الہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولی تیار کر دیا، اور ان دونوں کی بہتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

علی صلحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے، اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعۃً دشمنوں نے چھاپا مارا صلحی کے ساتھ آدی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود روٹی کے اندر ایک خطر رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا، اور اسماء آزاد تھی، جب تک وہ زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی تھی، ۳۹ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونان اسلام پل کر جوان ہوئیں، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گھوڑا صلی حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا، اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر کرم عیاش

اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کیے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تہ تیروں دونوں سے زیر کیا، دولتِ فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے ان میں اس کے لیے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کیے جاتے تھے!

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سینکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق اٹھنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتین اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس ہے کہ دوسری ضروری کاموں کی مصروفیات کی مزید تفصیل اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتین اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند تر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغاز اسلام میں متعدد مسلمان خواتین نے اپنے دین و ایمان کی خاطر سخت سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں مگر کبھی جادہ حق سے روگردانی نہیں کی، سمیہؓ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابو جہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہ جان بچ نہ ہو سکیں۔

ام فکبیرہؓ بیٹی ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ”میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں“ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”عمر! اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا“۔

زینبہؓ بیٹی ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہدیہؓ بیٹی اور ام عیسیٰؓ بیٹی یہ دونوں بھی



صحابیہ تھیں یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں! حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنو امیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیر گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو ”میں حجاج سے صلح کر لوں؟“ بہادر ماں نے جواب دیا:

فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟“ ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سچ کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں، ماں نے جواب دیا:

”بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے تو اس کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی“

اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق و صداقت کی قربان گاہ پر اپنے دلہند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسرِ راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ بھی بیٹھا کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی، کون ایسی ماں ہوگی جو اس پر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی، لیکن وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں، اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا:

! یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

”کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اتر نہیں؟“

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت اور بے مثال صبر و استقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟

قارئین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابو عبد اللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۸۰۰ برس حکومت کی، آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں، اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہیں کہ:

”فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کے لیے عورتوں کی طرح خوب رولو“

اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔

یہ گزشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ خواتین اسلام آئندہ کی تاریخ اسلام کے لیے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟



وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ

سیر صحابہ  
(جلد ششم، حصہ سوم)

## اہل کتاب صحابہ و تابعین

جس میں ترانوںے ایسے صحابہ، صحابیات، تابعین اور تابعات کے سوانح اور کارنامے درج ہیں جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

— تحریر و ترتیب —

مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

ناشر

042 - 7223506 : فون : فضل الہی مارکیٹ  
چوک اردو بازار لاہور

اسلامی مکتبہ

# فہرست مضمونات

## اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؓ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	یہود کے مرکزی مقامات اور مشہور		پیش لفظ:
30	قبائل	9	مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی
31	یشرب	11	دیباچہ
31	بنو قریظہ	11	وجہ تصنیف
32	بنو نضیر	13	مآخذ
32	بنو قینقاع		جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے
33	بنو ہدل	13	میں شبہ ہے۔
33	بنو زنباع	15	ترتیب اور ناموں کی تعداد
33	یشرب کے دوسرے یہودی قبائل	17	مقدمہ
34	خیبر	18	یہودیت
35	فدک	18	پہلا دور
35	وادی القریٰ	23	دوسرا دور
37	تہاء	25	یمن میں یہودیت
37	نجران		کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے
39	ازراہ اور جربا	26	نہیں آئے تھے۔
39	مقنا		کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع
39	بحرین	28	ہو چکے تھے۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
67	حرام خوری	40	مکہ و طائف
67	حرص و طمع	42	تبادلہ و جرش
68	خیانت		اسلام سے پہلے عربوں اور
68	بغض و حسد	43	یہودیوں کے تعلقات
69	دروغ گوئی اور بد عہدی		اسلام سے پہلے ایک دوسرے پر
	یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی	45	تمدنی و معاشرتی اثرات
71	ویسائی تعلقات	46	یہود کے پیشے
77	ہجرت کے بعد	47	زراعت
87	یہود مدینہ سے معاہدہ	48	تجارت
87	نقض معاہدہ	49	تجارتی بازار
87	یہود کا خاتمہ	49	سامان تجارت
91	یہود خیبر	51	صنعت و حرفت
96	نصاری	52	عربی ادب میں یہود کا حصہ
	رومیوں اور عربوں کے قدیم	54	تحریر کا رواج
97	تعلقات	55	شعر و شاعری
97	رومی عیسائیوں سے تعلقات	57	اجتماعی ادارے
98	غسانی حکومت کا قیام	57	مذہبی اثرات
100	اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات	59	قبائلی نظام
101	یمن پر حبشہ کا قبضہ	59	یہود کی دینی اور اخلاقی حالت
102	اصحاب فیل	60	دینی گمراہیاں
106	نجران	65	اخلاق و معاملات
108	غسان	66	نفاق

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
111	حیرہ میں عیسائیت	108	بنو تغلب
	عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی	109	بنو کلب
112	تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج	109	قضاء
112	ثقافتی و تمدنی اثرات	110	ربیعہ
113	علمی اثرات	110	قبیلہ عبدالقیس
113	ادب و شعر	111	حیرہ

# فہرست صحابہ

اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
			(الف)
138	حضرت ثعلبہ بن سلام		حضرت ابراہیمؑ
139	حضرت ثعلبہ بن قیس	117	حضرت ادریسؑ
141	حضرت ثعلبہ بن ابی مالک (ج)	120	حضرت اسید بن سعیدؑ
143	حضرت جارود بن عمرو	121	حضرت اسد بن عبیدؑ
147	حضرت جبرؑ	123	حضرت اسد بن کعب القرظیؑ
149	حضرت جبلؑ (ح)	124	حضرت اسید بن کعب القرظیؑ
150	حضرت حمیرہ نجرہؑ (د)	125	حضرت اشرف حبشیؑ
151	حضرت درید الراہبؑ (ذ)	126	(ب)
152	حضرت ذو وجنؑ	127	حضرت بحیر الحبشیؑ
153	حضرت ذو حمرہؑ	129	حضرت بشیر بن معاویہؑ
155	حضرت ذو مناجبہؑ		(ت)
156	حضرت ذو مہدمؑ (ر)	130	حضرت تمامؑ
157	حضرت رافع القرظیؑ	131	حضرت تمیم الحبشیؑ
		132	حضرت تمیم داریؑ
			(ث)
		137	حضرت ثعلبہ بن سعید الہدیؑ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
201	حضرت عداسؓ	158	حضرت رفاعہ بن السموال
203	حضرت عدی بن حاتم	160	حضرت رفاعہ القرظیؓ
211	حضرت عطیہ القرظیؓ	(ز)	
212	حضرت علی بن رفاعہ	162	حضرت زید بن سعید
213	حضرت عمرو بن سعدی	(س)	
214	حضرت عمیر بن امیہ	164	حضرت سعد بن وہب
(ک)		165	حضرت سعید
215	حضرت کثیر بن السائب	166	حضرت سعید بن عامر
216	حضرت کرز بن علقمہ	167	حضرت سلامؓ
217	حضرت کعب بن سلیم	168	حضرت سلمہ بن سلام
(م)		169	حضرت سلمان فارسی
217	حضرت محربؓ	186	حضرت سمعان بن خالد
218	حضرت محمد بن عبد اللہ بن سلام	186	حضرت میمونہ بلقاویؓ
219	حضرت مخزومؓ	(ش)	
220	حضرت میمون بن یامین	188	حضرت شمعونؓ
222	حضرت مابورؓ	(ص)	
(ن)		191	حضرت صالح القرظیؓ
223	حضرت نافعؓ	(ع)	
(ی)		191	حضرت عامر الشامیؓ
224	حضرت یامین بن عمیر	192	حضرت عبد الجارث بن السنی
حضرت یوسف بن عبد اللہ بن	194	حضرت عبد اللہ بن سلام	
227	سلام	200	حضرت عبد الرحمن بن زبیر



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
260	صحابیات	(الکفی)	
260	حضرت حمیرہؓ	229	حضرت ابوسعید بن وہب
262	حضرت خالدہؓ	230	حضرت ابومالکؓ
263	حضرت ریحانہؓ		بارگاہ رسالت کے ایک یہودی خادم
266	حضرت سفانہؓ	231	
268	حضرت سیرینؓ	232	تابعین
269	حضرت صفیہؓ	232	ادیم الثعلبیؓ
275	حضرت ماریہ قبطیہؓ	234	اری بن التجاشیؓ
283	حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ	234	اصغ بن عمروؓ
284	تابعات	236	اصحہ نجاشیؓ شاہ حبشہ
284	تماضرؓ	239	بکاء الراہبؓ
285	ام محمد القرظیؓ	240	تمام بن یہوداؓ
286	ضمیمہ	241	صبی بن معبدؓ
286	فروہ بن عمروؓ	242	ضفاطر الاسقف الشہیدؓ
287	ذوالکلاعؓ	243	عمیر بن حسینؓ
287	ذو عمروؓ	244	کعب احبارؓ
	قبیلہ بنو غسان کے تین نامعلوم	248	محمد بن کعب القرظیؓ
287	الاسم صحابی	252	نعیم الحمرؓ
288	ایک نامعلوم الاسم تغلیسی صحابی	254	وہب بن منبہؓ

## پیش لفظ

(از مولانا عبدالماجد ریادی)

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے لیے دلکش ثابت ہوگی، کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازشیں کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں، صدیوں پر صدیاں گزر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہو گئیں، اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہل کتاب میں سے صحابہ ہوئے ہیں، مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کیا جائے، یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزندِ ندوہ کے لیے اٹھ رہی تھی، ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ.

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا، کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر بھی حالات و تفصیلات کے خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھگانے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آ گئے یہی غنیمت ہیں، ۶۳ صحابی، ۸ صحابیات، ۱۳ تابعی، ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات فراہم ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہ ہوئی، فرط احتیاط سے مؤلف سلمہ خود ہی کچھ رک گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دنیا کس طرف جا رہی ہے، روشن خیال دنیا قلم ہاتھ میں لے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے اللہ اور رسول کے نام کے دیوانے اب بھی ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات 'اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی ادھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں، نفع فوری اور صلہ عاجل حاصل ہو یا نہ ہو۔' 'اجر غیر ممنون کی توقع انہیں..... بنائے رکھنے کے لیے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافیہ

نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں..... رسالہ بحیثیت مجموعی ”بہ قامت کہتر“ ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں ”بہ قیمت بہتر“ ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس طبع و اشاعت کا سامان بھی اسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے جو سیرت صحابہ کے سلسلہ میں خدمات خصوصی کا امتیاز حاصل کیے ہوئے ہے۔

۲۰ اپریل ۱۹۵۱ء



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دیباچہ

#### وجہ تصنیف:

ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا، علامہ زبخری کی کشف میں سورہ آل عمران درس میں تھی، مومنین اہل کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شان نزول کے مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا، جب سورہ کی آخری آیت:

﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ﴾ (الابۃ)  
 ”اہل کتاب میں سے بعض ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی اس پر یقین رکھتے ہیں۔“

تفسیر شروع ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اصحہ النجاشی اور حبشہ اور نجران کے وفد کا ذکر بھی آیا، اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جب مومنین اہل کتاب کا ذکر آتا ہے تو اباب تفسیر دو چار مخصوص اہل کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے اپنی اس غلطی کا اظہار حضرت الاستاذ مولانا شاہ حکیم عطاء صاحب سے کیا۔ انہوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے، اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث:

”اگر درس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی“

سامنے آئی (حضرت شاہ صاحب کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا) میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ کیا درس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامیابی اور بے اثری کی دلیل ہے کہ اس نے اہل کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی جب کہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے۔ شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں۔ اس جواب سے گوتھوڑی سی تسکین ضرور ہوئی لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بلا آخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا تو رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی، اتفاق سے ایک دن ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہل کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی۔ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کیا کہ کیا اہل کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ابن ہشام، سیہلی اور دوسری سیر کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کر دی، بہت دنوں تک مغازی و سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات و رجال

۱۔ بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ اليهود کے مصنف

اسرائیل ولفسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۳۷)

۲۔ یہی جواب عام شرح حدیث حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے کہ چند سرداران یہود ہی عام یہود کے حلقہ گوش اسلام ہونے میں سدرہا بنے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ

نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

کی کتابیں دیکھی جائیں، پہلے تو اس بحرِ زخار میں گوہر مقصود کی تلاش پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور تحقیق و تلاش شروع کر دی، برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہو سکا وہ پیش کش قارئین ہے:

مآخذ:

سیر کی کتابوں کے بعد رجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی ”تجربہ اسماء الصحابہ“ شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ اور ان سب کے بعد اصحابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی تو اس کے لیے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

شروع میں تو یہ کتاب اہل کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی لیکن جب میں نے اصحابہ کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہل کتاب بائبلین کے ناموں پر بھی نظر پڑی، جن کو میں جمع کرتا گیا چونکہ یہ تھوڑے تھے اس لیے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے:

بعض قبائل کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے، لیکن جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، اس وقت تک ان کو اس فہرست میں نہیں لیا گیا، مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ:

لان بنی تغلب كانوا نصری۔ ”اس لیے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے“۔ (۱۵ ص ۵۷)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے:

ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب۔ (ج ۵ ص ۲۲۲)

”بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے مثلاً تغلب“۔

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لیے نہیں لیا گیا ہے کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیم داری شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیم جب خدمت نبویؐ میں آئے تو ان کے اہل خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیم اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا اس لیے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں ملی سکی۔

اسی طرح مصر کے قبلی عام طور پر عیسائی تھے لیکن بہت سے قبلی صحابہ کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔ جن بزرگوں کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے ان کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) ابو ہند الداری: یہ حضرت تمیم داری کے چچا زاد بھائی تھے معلوم نہیں انہوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں۔

(۲) احمد بن عبد اللہ بن سلام: ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے۔<sup>۱</sup> لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے جو شرف صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محمد کی تعریف ہو، واللہ اعلم۔

(۳) تبع بن امرۃ کعب الاحبار: یہ کعب احبار کے ریب تھے۔

(۴) ذکوان بن یامین: ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔

(۵) سلمہ بن سعد: اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیب کی قوم سے تھے۔

(۶) سلمہ بن عیاض: ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے تھے لیکن تصریح نہیں ملتی۔

(۷) فیروز الدیلیمی: کسریٰ کے امیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں۔

(۸) ابن التیہان: ابن ندیم نے ان کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے۔<sup>۲</sup> اگر اس سے

<sup>۱</sup> ابن ندیم ص ۳۳۔ ۲ ایضاً۔

مراد ابو الہیثم بن العیمان ہیں تو وہ اہل کتاب میں نہیں بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی اور ابن العیمان ہیں تو کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۹) ام المہاجر الرومیہ: رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کے عیسائی ہونے کا امکان ہے۔

(۱۰) ابن جریج تابعی: تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فخر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے۔ لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لیے ان کا نام اس فہرست میں نہیں لیا گیا ہے۔

(۱۱) انبہ عم صفیہ: ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت صفیہ اور ان کی ایک چچا زاد بہن گرفتار ہوئیں۔ حضرت صفیہؓ حضرت دجیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپ ﷺ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچا زاد بہن کو انہیں دے دیا چونکہ ان کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے اس لیے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے۔

جشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی جماعت خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی اس کے علاوہ نعیم الحجر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آچکا ہے چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد:

کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف جمعی کے اعتبار سے درج ہیں پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔



پوری کتاب میں تریسٹھ صحابہؓ سات صد صحابیات اور تیرہ تابعین اور دو تابعات کے حالات درج ہیں جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے۔

خادم: مجیب اللہ ندوی



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس کے بغیر سمجھنا بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔ اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصا اور احتواء کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ موضوع کے پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں، اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگزاشت ہوئی ہو تو اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنون کر فرمائیں و فوق کل ذی علم علیہم۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی ملک یا قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرہ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے۔ اور قوموں کے آپس میں اختلاط اور ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین

بڑے ذریعے یہ تھے۔

### ① تجارت

② ایران و روم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ۔

③ یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لیے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں اس میں دکھانا ہے کہ جزیرہ عرب میں ان مذاہب کی ابتدائی کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انہیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور انہوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کیے پھر جملہ یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا ارشادات کیے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے بھی پہلے ہم یہودیت، اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے۔

### یہودیت:

جزیرہ عرب میں یہود کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۵۰۰ ق۔م

۱۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کے بعد پڑا حضرت سلیمان کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے ایک گروہ موحد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمان کے فرزند ولی عہد رجعام کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہود ان ہی کا لقب تھا اس لیے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اس لیے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم۔ ۴۴

جسے یہود پانچہ کا دور کہا جاتا ہے اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک پہلے دور میں جو یہود جزیرہ عرب میں آئے ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کا وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ یعنی ۵۰۰ ق م سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ یا قوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حين اظهره الله تعالى (موسى) على فرعون فوطى الشام واهلك من كان بها منهم ثم بعث بعثا آخر الى الحجاز الى العماليق وامرهم ان لا يستبقوا احدا ممن بلغ الحكم الا من دخل فى دينه فقدموا عليهم فقاتلوهم فاطهرهم الله عليهم فقتلوهم وقتلوا ملكهم لارقم واسروا ابناله شاباً جميلاً كاحسن من راي فى زمانه فضنوا به عن القتل وقالوا نستحيه حتى تقدم به على موسى فيرى فيه رايه فاقبلوا وهو معهم وقبض الله موسى قبل قدرهم فلما قربوا وسمع بنو اسرائيل بذلك تلقوهم واسئلوهم عن اخبارهم فاخبروهم بما فتح الله عليهم قالوا فما هذا الفتى الذى معلم فاخبروهم بقصة فقالوا ان هذه معصية منكم لمخالفتكم امر نبيكم والله لا دخلتم علينا بلادنا ابدا فحالوا بينهم وبين الشام فقال ذلك الجيش ما بلد اذا منعتم بلدكم خير لكم من البلدى فتحتموه وقتلتم اهله فارجموا اليه فعادوا اليها فاقاموا بها فهذا كان اول سكى اليهود الحجاز والمدينه.

۴۴ دوسرا گروہ مشرک تھا جو ( ) کے تحت تھا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا سزا یافتہ اور دشمن تھا۔ لیکن ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے کے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے امتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں ان بحث کرنی ہے۔ اس لیے ہم نے ہر جگہ یہودی کا لفظ استعمال کیا ہے اس لیے غلط فہمی نہ ہوئی جاوے۔ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعموان و انصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج عمالیت<sup>۱</sup> کی سرکوبی کے لیے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا۔ چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھا اس لیے فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اسے وہ لے کر شام واپس آئے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی۔ بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کیے انہوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے سنایا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی خلاف ورزی کی اس لیے تم شام میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے کہا فوجیو! شام کے بعد تمہارے لیے حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے تو وہیں واپس چلو چنانچہ وہ حجاز واپس آئے۔ مدینہ اور حجاز میں یہودی کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی۔“ (ج ۷ ص ۳۲۷)

- اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لیے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ ”صحف قدیم میں اس کا

۱ حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی جن کا ظلم و ستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

۲ اس روایت کو اعانی نے (ج ۱۱ ص ۹۱) میں اور سہودی نے وفا للوفاء ص ۱۱۱ میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ ج ۲ ص ۲۸۷ میں نقل کیا ہے۔

تذکرہ نہیں ہے، بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے جو مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، مگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابل اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ق۔م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہو گئی تھی تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بناء پر عربی ماخذ کی روایات کو کمزور کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے!

اس کے بعد جزیرہ عرب میں یہود کی دوسری آمد بنی شمعون کی ہجرت قرار پاسکتی ہے۔ اس کے متعلق صحف قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لیے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائل معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے، جنگ ہوئی جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے:

”۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے، اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔ ۳۹۔ اور وہ جدور کی در آمد تک اس وادی کے پورے تک اپنے گلوں کے لیے چراگاہ ڈھونڈنے گئے۔ ۴۰۔ وہاں انہوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور پکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم سے اس میں رہتے تھے۔ ۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں شاہ یہود اور حزیقاہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کا پڑاؤ مارا اور معونیم“

۱۔ اس روایت کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف انانی کو سمجھا ہے۔ حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ مع معونیم یعنی قہائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے تاریخ ایہود ص ۵۸ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اس سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انہوں نے کئی برس تک جزیرہ عرب میں حکومت کی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ارض القرآن، جلد اول۔

جو وہاں ملے قتل کیا ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے کیونکہ ان کے گلے کے لیے وہاں چرائی تھی۔ ۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سومرد شیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیاء اور نعر ماہ اور رفاہ اور غرییل ان کے سردار تھے۔ ۴۳۔ اور ان باقی عمالقیوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں۔“

(تواریخ اباب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے اپنی کتاب ”بنی اسرائیل مکہ میں“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤد کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۰۰۰ق۔ م کے قریب ہوئی، لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب ”عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی جنہوں نے ۶۹۱ سے ۶۷۱ق۔ م تک بلاد یہود پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے یعنی انہوں نے اس کو ۱۵۱۵ق۔ م کا واقعہ قرار دیا ہے۔ تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ق۔ م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے غالباً اس نے یہ رائے اس لیے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۱۵۱۵ق۔ م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ق۔ م کے تحت درج ہیں۔ صرف اسی واقعہ کے سامنے ۱۵۱۵ق۔ م درج ہے۔ بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۵۰۰ق۔ م سے پہلے بنی شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے اسی اختلاف روایات کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے، لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان کے قبائل نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں۔

اس کے علاوہ صحف قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامان تجارت لے کر جایا کرتے تھے۔ اور یہود تاجر سب تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے۔ اور یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں۔ جو یہود کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمدورفت اور بودوباش شروع ہوئی، لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار اب باقی نہیں رہ گئے ہیں اس لیے ان کو یہود باندہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

دوسرا دور:

دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رخ کیا ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قومی سبب یہ تھے۔

① فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھی تھی، چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا، اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لیے وہ عرب اور عراق کا رخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی ان کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے یہود کی آبادیاں متفرق طور سے پورے جزیرہ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

② پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا یہاں تک کہ یہود کو زمام حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی، لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن نہیں تھا



بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ تھی اس لیے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اٹھاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہرقم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر کہیں ہجرت کر جاتے جس کے لیے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرہ عرب ہی کی مل سکتی تھی۔

③ اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۶۰۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اٹھانا پڑی اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی وہاں چلے گئے۔ ان تارکین وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رخ کیا جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مؤرخ یوسف جو ان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔

رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرہ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب افغانی نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

لما ظہرت الروم علی بنی اسرائیل جمیعا بالشام فوطنوہم وقتلوہم  
ونکحو انساءہم خرج بنو نضیر و بنو قریظہ و بنو ہدل ہاربین منہم  
الی من بالحجاز من بنی اسرائیل۔

”جب رومیوں نے شام کے بنو اسرائیل (یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا ان کو قتل کیا ان کی عورتوں کو اپنے حوالہ عقد میں لے آئے۔ اس ظلم و ستم سے بچنے کے لیے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو ہدل وغیرہ حجاز میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے یہاں چلے آئے۔“

۱۔ ویری یومی یشرئیل بحوالہ الیہود ص ۹۔ ۲۔ ویری یومی یشرئیل بحوالہ تاریخ الیہود ص ۹۔

۳۔ افغانی جز ۱۹ ص ۹۰۵۔

بہر نوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرہ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بناء پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصوں پر منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم و جدید تعلقات پر تھی، اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت:

یمن گو جزیرہ عرب ہی کا ایک حصہ ہے لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے وہ ہمیشہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔ اہل یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے تھے۔ اوپر آچکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق۔ م میں اہل عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سہا تھا جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے اس سے بھی یہود اور اہل یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق۔ م میں ملتا ہے!

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لیے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ سب یہودی تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتداء کب ہوئی اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں۔

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالوے نے اس کی ابتداء ۱۱۵ ق۔ م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے۔ اور مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتداء

۱ تاریخ دوم آیت ۲۶-۸ یہ تو بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی، جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے بہت کچھ معلومات فراہم کر دیے ہیں۔

۲۰-۲ سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت (۵۲۶ء) کے بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرہ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

فاما من تہود منہم فالیمن باسرها

”جزیرہ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے ان میں یمن بھی ہے یمن پورا کا پورا یہودی تھا۔“

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

کان تبع حمل حبرین من احبار الیہود الی الیمن فابطل الا وئان وتہود من بالیمن۔<sup>۲</sup> (ج ۱ ص ۲۹۸)

”ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا انہوں نے وہاں بت پرستی کو مٹایا اور ان کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی۔“

جدید اثری تحقیقات کے مطالعہ کے مطابق تابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا اس لیے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا۔

اوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے مگر اس میں کوئی تضاد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔ کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین

چھوڑ کر جزیرہ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رخ کرتے ہیں لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ عرب کے یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے بلکہ یہ عرب ہی نسل سے تھے۔ جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی، یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وہم فخذ من جذام الا انہم تہودا ووزلوا یقال لہ النضیر فسموا بہ.

”یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی ہو گئے تھے اور جہاں یہ آباد ہوئے اس مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔“

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے:

وہی فخذ من جذام اخوة النضیر ویقال انہم تہودوا فی ایام عادیا بن

سمویل ثم نزلوا بجبل یقال لہ قریظۃ فسموا الیہ. (ج ۲ ص ۵۴)

”یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عاد یا بن سوئیل کے زمانے میں یہودی ہوئے پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا۔“ (ج ۲ ص ۴۹)

جو لوگ اس خیال کے موید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے، لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں میں ممتاز نہیں تھے اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یا دیگر چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی ہی جنس سے تھے، صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام یہود عربی النسل تھے صحیح نہیں ہے۔

اوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے لیکن اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔

① یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

② یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر ”یہود کے تمدنی اثرات“ کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا اس لیے کہ ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب کے یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے، جن کا تعلق یہود سے ہے لیکن یہ خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے پورے جزیرہ کے متعلق تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرہ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی، خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر و بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لیے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل و لفسون نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے یہی نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور

دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گونا گوں تعلقات تھے لیکن جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح کھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابل ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے، لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

- یہ بات کہ وہ عربوں میں بالکل کھل مل گئے تھے اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکل صحیح نہیں ہے، جزیرہ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی لیکن جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القرئی اور حماہ وغیرہ تھے وہاں وہ ہر نقطہ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔
- دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے جیسے کہ خود عربوں کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ دنیا سے بالکل الگ تھلک تھے، لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق عربوں اور حجاز اور یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانے سے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرہ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی تیسری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی بعثت تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی۔ خصوصیت سے شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔

بنو قیصاع جلا وطن کیے گئے تو وہ یہاں سے ازراعات جو شام کے علاقہ میں ہے چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لیے شام تک کا سفر کریں اور یہود جو جزیرہ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس

عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ یہود سے منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے۔

③ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہود ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرہ عرب کے یہود کے علمی امتیاز کے لیے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہ ابن سلام، حضرت زید بن سعد، حضرت مخزوم، حضرت مامون بن یامین، کعب احبار، محمد بن کعب القرظی، وہب بن منبہ جیسے علماء اور کعب بن اشرف اور سمول جیسے شعرا موجود تھے، حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسف نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی، ان کے متعدد مدارس قائم تھے، خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ایک مشہور درس گاہ تھی۔

جزیرہ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے، مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہودی ہی کے ذریعے ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور زمرہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہودی ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے۔

بہر نوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل:

یوں تو جزیرہ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب کے تمام مرکزی مقامات پر یہودی قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے، ان قبائل کے نام ان کی

آمد اور مقام ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

یثرب:

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ عرب میں یہودی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی۔ اس لیے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا۔ اس لیے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو یہ بہت قدیم آبادی ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینہ النبی ﷺ کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبان زد خاص و عام ہو گیا۔

مدینہ میں جو یہودی قبیلے آباد تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

بنو قریظہ:

یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادی مہروز کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے آباد ہو گیا۔ یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن ۵ ہجری میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے بھی غزوہ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لیے

۱۔ بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی، تفصیل آگے آئے گی۔

معجم البلدان ج ۸ ص ۲۱۴۔



ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زید بن سہلؓ، حضرت سعیدؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہ وغیرہ اہل کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔  
بنو نضیر:

اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادی بطنان کے پاس آ کر آباد ہوا۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی وادی تھی یا قوت نے بطنان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

هو موضع منازل بنی نضیر۔ ”بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے۔“  
بویرہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنواں وادی بطنان کے قریب ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔  
آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا، لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں ۴ ہجری میں جلاوطن کیے گئے۔ حضرت مخزومؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابوسعیدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔  
بنو قریظہ:

اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام رواج پر صنایع اور زراعت پیشہ تھے، خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔ خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ قین عربی میں لوہار کو کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جا سکے۔ جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط

اور طاقتور تھے۔ سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجے میں جلاوطن کیے گئے۔ مدینہ سے نکل کر ازرعات میں جو شام کا ایک ضلع ہے چلے گئے۔  
بنو ہدل:

یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہرزور میں آباد ہو گیا تھا! یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی کا شریک تھا۔ بعض کتابوں میں اس کا نام بنو بہدل لکھا ہوا ہے۔ سمودی نے لکھا ہے کہ ان کو بنو ہدل اس لیے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں! حضرت ثعلبہ، حضرت اسد بن کعب اور حضرت عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔  
بنو زباج:

یہ قبیلہ بھی بنو قریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔ بنو قریظہ سے اس کے تعلق کی بناء پر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا، مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت رافع کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔  
یثرب کے دوسرے یہودی قبائل:

مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی یہودی قبائل تھے جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔ مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے، بنو ظفر وادی مہرزور کے آخری سرے پر آباد تھے۔ بنو اشہل اور بنو حارث مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا۔

- ① یہود بنی عوف ② یہود بنی نجار ③ یہود بنی ساعدہ ④ یہود بنی عوف
- ⑤ یہود بنی الاوس ⑥ یہود بنی ثعلبہ ⑦ بنو جفنہ ⑧ بنو اشطیہ ⑨ بنو حارث

اس معاہدہ ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے کہ:

وان بطانة يهود كانوا كفارهم.

”اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان يهود كانوا اينا و عشرين قبيلة.

”مدینہ میں یہودی قبائل بیس سے زیادہ تھے۔“

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے جن کا نسبی تعلق اوس و خزرج سے تھا، مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اس لیے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے مثلاً بنو اشبل، بنو حارثہ، بنو عوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اسی طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ وغیرہ خزرج کے تحتی قبائل تھے۔

خیبر:

شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھیں یا یہیں کی خود عربی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جلد اعلیٰ ایک ہی ہیں انصار کے جلد اعلیٰ یرث بن قانیہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کو فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ

میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے۔ اس لیے کہ یہاں بہت سے قلعے تھے جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے جس کو تجارتی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے جن میں سات قلعے مشہور تھے۔ ① ناعم ② قموس ③ حمن الشق ④ حمن الطاقہ ⑤ حمن السالم ⑥ حمن الوطیح ⑦ حمن الکھیمہ ⑧ یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے۔ یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو ۷ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کر کے ان کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وطن خیبر ہی تھا۔

**فدک:**

خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پرانی ہے مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے اس پاس کے جن قبائل سے صلح کی تھی ان میں اہل فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

**وادئ القرئی:**

شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں

اس کو ”وادی القریٰ“ (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد و ثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبزی و شادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے:

﴿اَتْتَرُكُوْا فِيْهَا هٰهٰنَا اٰمِيْنَ فِيْ جَنَّتٍ وَّعِيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ﴾

”کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں موجود ہیں یعنی باغوں، چشموں میں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں“۔ (شعراء)

ارباب تاریخ و جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد و ثمود کی تباہی کے بعد یہاں یہود آباد ہوئے انہوں نے دوبارہ یہاں کی زراعت اور آب رسانی کو ترقی دی۔ یہود کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے۔ مگر وہ سب کے سب یہود کے زیر اثر رہے۔ قضاہ تہمینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں تھے۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرہ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت ﷺ خیر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہد اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہاں یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک یہاں یہود موجود تھے (ص ۱۸۶) یا قوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔ اس وقت یہ سرزمین بالکل ویران ہے۔ کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والا کوئی موجود نہیں ہے۔

۱۔ معجم البلدان ج ۷ ص ۷۳ یہود اور مسلمانوں میں جنگیں ہوئی ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ

ساتھ نظر آتے ہیں۔ ۲۔ معجم البلدان ج ۷ ص ۷۳۔

ان دونوں بیانونوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وادی القرئی کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا، لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت ”قیل“ کے لفظ سے مروی ہے جو اس کے ضعف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں جس کی بنا پر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم۔

تہاء:

وادی القرئی کے قریب ہی تہاء کی بستی تھی۔ فدک اور وادی القرئی کی طرح تہاء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقع تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیہ کا خاندان حکمران تھا، اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سمول بن عادیہ تھا جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وادی القرئی سے واپس ہوئے تو اہل تہاء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی۔ مگر یہ بیان بھی قابل غور ہے تفصیل آگے آئے گی۔

نجران:

بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہو گئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہور اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ

واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ ”عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دو لڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے حکمران ذونواس سے داد رسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا۔ اور وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا جس طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے: ۲

﴿ قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوُقُودِ ﴾ (بروج)

”خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے۔“

یہ واقعہ ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہو گئی اور پھر یہودیوں کو جزیرہ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے۔ مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نجران میں یہودی آبادی تھی۔ جو حضرت عمرؓ کے زمانے تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلا وطن کر دیئے گئے۔ ۱

۱۔ اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ اس کشمکش کی موجودگی میں اہل نجران کی یہ روش یہودیوں کے لیے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی۔ حبشہ پر براہ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لیے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔ ۲ اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ ۳ ابوداؤد جلد ۲ باب اخراج الیہود۔

آئندہ اوراق میں ”جزیرہ عرب میں عیسائیت“ کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی۔  
اذرح اور جرباء:

جزیرہ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ نے ان سے صلح کر لی!۔  
 مقنا:

یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی یا قوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہیکار مائی، کتائی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا۔  
 اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین:

بحرین فارس اور جزیرہ عرب کی سرحد پر واقع ہے جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی، بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کا سنگم تھا۔ عرب و عجم، یہود و نصاریٰ اور مجوس و آتش پرست سبھی یہاں موجود تھے۔ عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ:

اہل الارض من المجوس والیہود والنصری۔ (۸۶)



”اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی۔“

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردہِ خفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶ ہجری میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر والی بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہٴ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا۔

۸ ہجری میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہاں کے یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول نہ کریں ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے دور سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے تو حضرت بشر بن جارد جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے انہوں نے اہل بحرین کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

مکہ و طائف:

مکہ و طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے۔ مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

۱ فتوح البلدان ص ۸۵۔ ۲ ایضاً ص ۹۱۔ اور سیاسی زندگی ذاکر حمید اللہ ص ۳۵۰۔

۳ فتوح البلدان ص ۹۱۔ ۴ تاریخ الیہود ص ۹۳۔

اسی سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے مدینہ بھیجا تھا، چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا سبب نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گونا گوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور بجنہ کے بازاروں میں یہودی تاجر اور کارکن شریک ہوتے تھے جہاں کہانت کی شعبہ بازیوں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے جن میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان وجوہ کی بناء پر یہ خیال قائم کر لیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں زمانہ قدیم سے یہودیوں کی ایک نوآبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے:

كان بمخلاف الطائف قوم من اليهود طرد من اليمن ويشرب فاقامها  
بها اللتجارة. (ص ۶۳)

”طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی تھی۔ جو یمن و شرب سے نکال دیئے گئے تھے اور بسلسلہ تجارت یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔“

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائیداد خریدی تھی! اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

## تالہ و جرش:

تالہ و جرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ یہ بصراحت معلوم نہیں ہو سکا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لیے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ متنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے۔

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ”اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے“!

۱۰ ہجری میں یہاں کے عرب باشندوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا تھا!

یہودیوں کی ان کججا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جو پورے کے پورے دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے مثلاً تمیر بنو کنندہ، بنو کنانہ، بنو الحارث، قضاہ، غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی۔

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جزیرہ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے تقریباً ان پر یہودیوں کا قبضہ تھا، یا کم از کم وہاں ان کا اثر و رسوخ تھا، دوسرے آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

۱۔ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۵۶۔ ۲۔ فتوح البلدان ص ۶۶۔

۳۔ معارف ابن قتیبہ ص ۲۶۶۔ ۴۔ یعقوبی ج ۱ ص ۲۸۹۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت:

جزیرہ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے، مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور ان کی نوعیتیں پورے طور پر سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گونا گوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے، مگر اس کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغایرت بھی موجود تھی، مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت و مفضولیت کی تھی۔ یہودیوں الہی کے ماننے والے اور صحفِ سماوی کے حامل تھے۔ پھر اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اس لیے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خاص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا، یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب و سامان اور زرعتی پیداوار و حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لیے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی جیسا کہ تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے اسی کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو یہود سے کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے اس لیے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا، تو ان کے پاس کوئی کتاب الہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ

مطمئن تھے۔ قریش جو تجارت میں معروف و مشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور مگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرہ عرب کی بے تاج بادشاہی بھی حاصل تھی وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت و تفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب نے پوچھ لو۔ حدیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لیے بھیجے کہ وہ آپ کی نبوت اور آپ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق و افضلیت کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بناویں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہود یہ افراد موجود تھے! تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور پر تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر عرب آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا اس وقت بہت سے عرب خدمت گار ان کے پاس موجود تھے۔<sup>۱</sup> قریش جو پورے عرب میں ممتاز اور صاحب ”رحلۃ الشتاء والصیف“ تھے وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار<sup>۲</sup> ہرجانہ ادا کیا۔ کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے اور باوجود توفیق و مذہبی مغائرت کے جنگ و غیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف و معاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

۱ ابوداؤد کتاب ج ۲ ص ۹ کتاب الجہاد۔ ح ابن ہشام وغیرہ۔

۲ السیر الکبیر جلد ۱ ص ۱۸۶ تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس و خزرج میں جتنی لڑائیاں ہوئیں ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف و معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہو گئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا اس کا باپ اشرف قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنو بہان سے تھا جس نے مدینہ میں آ کر اپنا اثر و سوخ پیدا کیا اور سردار بنو نضیر اور افریح کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جدید الیہود یہ تھے۔

ظہور اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اثرات:

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منقطع نہیں ہو گئے تھے بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے جن سے ان کا واسطہ رہا یا جو جزیرہ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر ہجرت ہی مقدر تھی یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقعہ تھی کہ کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو بہر حال ایسا ضرور ہے کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں

۱۔ مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ۔ ۲۔ مثلاً غزوہ بدر، غزوہ خندق، غزوہ خیبر وغیرہ۔

۳۔ زر قانی ج ۲ ص ۹۔ ۴۔ ان قبائل کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام و فلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرہ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے اس لیے انہوں نے پورے جزیرہ عرب کی آبادی کو اس سے کم و بیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف سے نہیں، ہر طرف سے پڑے تھے بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عربوں کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے رائے قائم کرنی کہ جزیرہ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے اور ان میں یہودی خصوصیات باقی نہیں رہ گئیں تھیں اور بعض نے یہ خیال قائم کر لیا کہ جزیرہ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور پر یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے تفوق حاصل تھا، جس کا عربی بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كان هذا الحي من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحي وهم اهل الكتاب  
فكانوا يرون فضلا عليهم في العلم وكانوا يقتدون في كثير من فعلهم.

”یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار ان کو علم و فضل میں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر معاملات زندگی میں ان کی اقتداء کرتے تھے۔“ (ابوداؤد)

یہود کے پیشے:

جزیرہ عرب میں جہاں بھی یہود آباد تھے۔ عموماً ان کے خاص پیشے تھے زراعت،

تجارت اور صنعت و حرفت۔

## زراعت:

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے استاد تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہودی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے اور یہود نے آ کر ان کو سکھایا، بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لیے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا۔

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے جہاں کی زمین زرخیز اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لیے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقے سے آگاہ کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے پھر شام کی سرزمین کو صحف قدیم میں تین وزیونؑ کی زمین کہا گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرہ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لیے کہ جزیرہ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانور کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لیے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی، یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لیے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لیے جانوروں کی پرورش اور ان کا گونا گوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بعض یہود

۱۔ تاریخ الیہود ص ۱۸۱۔ ۲۔ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ ۳۔ فتوح البلدان ص ۶۷۔ ۶۸۔

۴۔ انجیل اور زینہ قرآن نے بھی سورہ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔



مرغیاں بھی پالتے تھے، مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا، اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہودی کی خصوصیت تھی۔

### تجارت:

ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت سے پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرہ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے اس لیے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت دشوار ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔ جزیرہ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرے سکونت و رہائش کے لیے بھی انہوں نے خاص طور سے جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی و کاروباری صلاحیت موجود تھی۔ بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت و مرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لیے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی ”غیر ذی زرع“ سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھی اور یہود اقلیت میں تھے مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

یہ وجہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے

ذریعہ آیا تھا۔

## تجارتی بازار:

عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے۔ ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے اس لیے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی و اقتصادی غلبہ تھا۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومتہ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے دو مشہور میلے لگتے تھے۔ یقیناً ان میلوں میں ان کی موثر شرکت ہوتی ہوگی۔ مدینہ میں ایک بازار سوق بنی قیقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قیقاع ہی کے نام سے مشہور تھا جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

## سامان تجارت:

سامان تجارت میں عموماً غلے، کھجوریں، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے جنہیں یہ بیچنے کے لیے باہر لے جاتے تھے۔ بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا طے پائی تھیں ان میں مچھلیاں بھی تھیں۔

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد ابورافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دفعۃً ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہو گئی اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

۱ نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۳۳۔ ۲ کتاب الحجر ص ۱۵۷۔ ۳ فتوح البلدان ذکر مقنا۔

۴ تاریخ الخلیفہ ص ۱۲۔ ۵ صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک۔

اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرہ عرب میں ربا یعنی سود خوری کا بھی رواج تھا جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے، عجم البلدان میں ہے:

کانوا اصحاب ربا۔ "اہل طائف بڑے سود خوار تھے۔"

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا لیکن یہود و نصاریٰ کی سود خوری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے:

﴿وَ أَكْلِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ﴾

"اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (لامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے۔"

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ ربا بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾

"ان لوگوں نے کہا کہ بیع مثل ربا کے ہے۔"

بہر حال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی یا عربوں کے اثر سے یہود

اس میں مبتلا ہوئے۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورہ مائدہ میں جہاں یہود کے معائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے ان میں ایک سود خوری بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے، اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لیے غالب گمان ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے یہاں فروغ دیا ہوگا جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت

شرعیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن و ارتہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا، خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت و حرفت:

صنعت و حرفت کا رواج اگرچہ جزیرہ عرب کے تمام باشندوں میں تھا مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے اور سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی! روئی کی کٹائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں، یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مٹنا، دو مٹا، الجندل اور نین کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے! اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے یہ صنعت ان میں موجود تھی مدینہ میں بنو قیقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے، غزوہ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا! کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو جس کو انہوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور و تکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنو قیقاع نے آنحضرت ﷺ سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر

کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں جو ان کے ذوق تمیز کی شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ:

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرہ عرب میں آ کر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی جس کو ان کے علماء و احبار جانتے تھے اس میں ان کی مذہبی کتابیں تھیں اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے مگر عوام شاید اس قدر بھی عبرانی نہیں جانتے تھے۔

﴿ لا يعلمون الكتاب الا امانی ﴾

”ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے۔“

بخلاف اس کے ان کی روزمرہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدہ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے جو ان کے ذریعے سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔ مثلاً جر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن مجید میں مستعمل ہے، عبرانی میں ابتدا اس کے معنی رفتی کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اس طرح نسبی کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی اس شخص کو کہتے ہیں جو مبینوں کو مقدم و مؤخر کرتا تھا۔ عربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عربوں میں نسبی کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا، اور ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی اس لیے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا

ہو اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اس خیال کی تائید مقررزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبیر اہل عرب نے یہود سے دو سو برس قبل اسلام سیکھا تھا!

لفظ آطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے یا عبرانی! اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں<sup>۲</sup> جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے اس لیے کہ عبرانی میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے، ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اونچے نیچوں کے معنی میں بولا جاتا تھا، مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا، ان وجوہ کی بناء پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے:

كفر عہم سبائہم اس کے معنی عبرانی میں محاسنہم ہیں افسد الی الارض کے معنی عبرانی میں رکن ہیں۔ انا ہدنا الیک کے معنی نسا الیک ہیں۔ ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے:

زمزمر 'مرفوم' او اہ 'ہم' حططہ 'اسباط' راعنا 'بعیر' لیمہ 'فیسیس' امیس

جہنم 'شیطان'

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور ایک تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہودی ہی واقف تھے اس لیے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی آشنائی

کرتے ہوں گے جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے نئے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔  
لکم علم لیس لنا! ”تم لوگوں کے پاس علم ہے جس سے ہم بے بہرہ ہیں۔“  
تحریر کارواج:

اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعے ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چار افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف حتمی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبد الملک نصرانی نے سیکھا اور اس نے اس کو مکہ میں رواج دیا۔ پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی۔<sup>۱</sup>

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوا کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔  
تعم البلدان کا دوسرا بیان یہ ہے:

كان الكتاب (الکتابہ) بالعربية في الاوس والخزرج قليلا وكان بعض اليهود قد علم كتاب العربية وكان تعلمه الصبيان بالمدينة في الزمن الاول.<sup>۲</sup>

”قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھا بہت کم جانتے تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔“

۱ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود ص ۸۷۔ ۲ فتوح البلدان ص ۴۷۸۔ ۳ ایضاً۔ ۴ فتوح البلدان ص ۳۷۹

اسی بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

ان یهود یثرب کانوا اساتذہ العرب فی تعلم الکتاب العربیة (ص ۲۰)

”یثرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں کے استاد تھے۔“

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرہ عرب میں یہود کے ذریعہ سے عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ وہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی!

شعر و شاعری:

شعر و شاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا، اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے معرکہ سر ہوتے تھے اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں۔ یہودی نصرانی یا مجوسی وہ سب عربوں کے شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں روانہ پا گئے۔

جزیرہ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے ان کے نام یہ ہیں

۱۔ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ورنہ اس کے وائل پیش کیے جاتے۔



① سمول بن عادیہ: یہ یہود کے صاحب دیوان اور نقول شعراء میں تھا، اس کا دیوان الالب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے اسی کے لڑکے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہما صحابی ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

② رافع بن ابی الیقین: قبیلہ بنو نضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اشعار میں بہت زہر افشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

③ کعب بن اشرف: یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی، اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لیے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف زہر اگلتا تھا۔ متولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے مرثیے اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابو قیس بن رفاعہ، ابو الذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن اسلام نے کیا ہے۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے جس نے یہودی متولین کا مرثیہ کہا تھا۔ اسی طرح صاحب تاریخ انجیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے۔

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کیے گئے، لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں، خصوصیت سے سمول اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

۱۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے اس لیے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

۲۔ طبقات اشعار، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ ۳۔ اغانی جلد ۱۹ ص ۹۶۔ ۴۔ ج ۱ ص ۳۰۶۔

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بھرت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعے بھی عربوں میں آگئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے:

عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ایک ادارہ تھا جس میں ان کے احبار اور صاحب امر کیجا کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے، ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں اور یہیں پر ان کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے، خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر ان کے مدارس میں جاتے رہتے تھے جس کی بنا پر یہود ان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے!

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے پاس فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اور ان کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

### مذہبی اثرات:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہب حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے امور میں ان کی اقتداء بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب و شاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے اس سلسلہ میں حضرت سلمہؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابل ذکر ہے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

”میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اور ان کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان اور جنت اور دوزخ کے وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بت پرست لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں، اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو، کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس سرزمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے“<sup>۱</sup>

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ سے آگاہ ضرور تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز بھی پڑھتے تھے۔<sup>۲</sup> ابن ابیان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا۔<sup>۳</sup>

نماز کے اعلان کے لیے وہ بوق<sup>۴</sup> بجاتے تھے، وہ روزے بھی رکھتے تھے۔<sup>۵</sup> ظاہر ہے کہ یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں میں نمایاں تھے، مثلاً مدینہ کے عرب یہود کے رسم و رواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔

۱ ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ ص ۱۵۷۔ ص تاریخ الیہود ص ۸۷۔

۲ یہ سنگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ص عام کتب حدیث۔

اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے آگاہ ہو چکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت و لعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے لیے کچھ موانع تھے جن کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے اور ان کا موانع کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکتے تھے وہ قبول اسلام سے باز بھی نہیں رہے تفصیل آگے آئے گی۔

### قبائلی نظام:

اوپر یہودیوں کے علمی و تمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بنے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع و لباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

### یہود کی دینی اور اخلاقی حالت:

قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود جلتا تھے مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرہ عرب کے یہود ہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

## دینی گمراہیاں:

تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح و سعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے نہ کہ نسل و ذات، مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہوتا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لیے کافی تھا، کہتے تھے کہ:

﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾<sup>۱</sup> (مادہ) ”ہم سب اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں۔“ اور سمجھتے تھے کہ:

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ (بقرہ)

”ہم دوزخ میں چند دن کے لیے ڈالے جائیں گے۔“

ان کے بارے میں نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ

فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (بقرہ)

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے لیے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص

ہے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ اگر تم سچے ہو۔“

دوسرے جگہ قرآن مجید میں ان کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ فَمَتَمُّوا الْمَوْتَ إِنْ

كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (جمعه)

”آپ ﷺ فرمادیجیے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو تو

موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔“

۱ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے، طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بد عقیدگی بد معاملگی اور بد اخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سندل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جاسکتا، عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدہ توحید ہے۔ اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آ جاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے روح ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی کہ:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

”میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔“

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طہ)

”میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔ اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھو۔“

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمہ صافی کو کفر و شرک اور فسق و فجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔ جزیرہ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ قرآن تو واضح طور ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے:

﴿لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ (نساء) ”ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی“

سورہ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں و بکفرہم کے الفاظ بار بار دہرائے

گئے ہیں۔ گو یہ کفر، کفر باللہ نہ ہو، مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا، جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں اسی پر بناء پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے کہ:

﴿تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ (آل عمران)

”(اے اہل کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کسی عبادت نہ کریں۔“

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وہ عزیز کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾

”اور یہود نے کہا کہ عزیز خدا کے بیٹے ہیں۔“

انہوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (توبہ)

”انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔“

یہ آیت یہود اور نصاریٰ دونوں کے بارے میں ہے، نصاریٰ کے سوء اعتقاد کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے کہ:

۱۔ آل عمران۔ ۲۔ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث طویل ہے اس لیے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصراً تاکہ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب کے یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد بار یہود کا نام بھی لیا ہے مثلاً فحاص۔ سلام بن مہکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن انشاء الله واحبائه اور اتخذوا احبارهم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

قال الربيع قلت لابي العاليه كيف كانت الربوبية في بني اسرائيل قال  
ما امرونا اتمرنا فانهورنا عنه انتيهنا<sup>١</sup> لقولهم وهم يجدون في كتاب  
الله ما امروا به وما نهوا عنه فاستنصحو الرجال<sup>٢</sup>.

”ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے کس طرح سے اپنے احبار کو  
ارباب بنا لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے اس کو ہم  
کرتے تھے اور جس بات سے وہ روکتے تھے ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان  
کے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے، حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں،  
چنانچہ اس طرح انہوں نے احبار و علماء کے اقوال و افعال کو اختیار کر لیا اور  
کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔“

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر  
ماؤف کر دیا تھا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال  
کرنے لگے تھے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدُلُّهُمُ اللَّهُ مَغْلُوبَةً ﴾

”یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ ٹگ ہو گیا ہے۔“

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ﴾

”اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں۔“

کتاب الہی (توراة) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ  
کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید  
میں ہے:

١۔ اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ بھی اہل کتاب میں تھے یہ ظاہر ہے اس لیے ان کے اہل  
کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔ ج طبری ج ۱۰ ص ۷۰۔



﴿ يُحَرِّفُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ يُكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَتْ رُؤَايَا بِهِ نَمَنَا قَلِيلًا ﴾ (بقرہ)

”پھر اس کو بدل ڈالتے تھے اس کے کبھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ روپے پیسے حاصل کریں۔“

جب اس معنوی تحریف سے کام نہ چلتا تو کلام الہی کو چھپا دیتے (ماندہ) اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے۔

﴿ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ﴾ (ماندہ)

”کلام الہی کو اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں۔“

﴿ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَوَاضِعِهِ ﴾ (ماندہ)

”وہ کلام الہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں۔“

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ کو آلہ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے:

﴿ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيًۗا ﴾ (بقرہ: ۱۰)

”اور ان میں سے بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے، لیکن دل خوش کن باتیں۔“

حضرت زید بن معنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ اس میں کس درجے بے باک تھے۔

ختمِ رَسْلِ ﷺ کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیشین گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ گوش اسلام ہوئے ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات

کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھا چاہا، مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے ظاہر کر دیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا (بخاری و مسلم)

انبیاء و رسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان و سرکشی ہی کی روش اختیار کی یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی۔ (ماکہ)

جزیرہ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیش روؤں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے (آل عمران) قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران) نبوت و رسالت صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے تھے (جمہ) آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے پیش روؤں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے، عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ ان سے دشمنی و عداوت رکھتے تھے، خصوصیت سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے، قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی، مشرکانہ اوہام و خرافات، جادو، گنڈا اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید بن اعصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے جو کنگھیوں اور بالوں پر منتر پڑھ کر پھونکتے تھے۔<sup>۱</sup> یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر سا خاکہ ہے، جن میں وہ دور رسالت ﷺ تک جلتا تھے، اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

### اخلاق و معاملات:

اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراؤ ان ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفیرین تھے، جن کا

۱۔ اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے یہودی ٹنکلو کو نقل کیا ہے ص ۳۲۷ جلد ۱۔

۲۔ صحیح بخاری ج ۲ کتاب الطب۔

انسانیت، شرافت اور فضائل اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

**نفاق:**

یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے ان میں سب سے اہم منافقت ہے یہ روح انسانی کے لیے ایسا روگ ہے جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے، جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا، اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا، اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا، قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِذَا لَقُواكُمْ قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْمِنُوا بِغَيْظِكُمْ﴾ (آل عمران)

”وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غصہ کے، آپ کہہ دیجیے کہ مر رہے ہو اپنے غصہ میں۔“

سورہ بقرہ (ع: ۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے:

دوسروں کو بھی نفاق پر ابھارتے تھے۔

﴿قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَانكُفَرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (آل عمران)

”بعض اہل کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ پھر جائیں۔“

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے ساتھ انہوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرز عمل اختیار

کر رکھا تھا اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آگئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے انہوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے غزوات کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر انہوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا!

### حرام خوری:

حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔ قرآن میں ہے:

﴿اَكْلُوْنَ لِلشَّحْتِ﴾ (مائدہ) ”بڑے حرام کھانے والے ہیں۔“

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ ان کے سودی کاروبار کا ذکر آچکا ہے رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

﴿وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (نساء)

”اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے۔“

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جموٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

”یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اپنی قسموں کے۔“

اس سلسلہ میں حضرت اشعثؓ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیر میں ملتا ہے۔

ان کے علماء اور اہل باطن بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

### حرص و طمع:

یہ مالدار اور خوش حال تھے مگر ان کی حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے تک کے لیے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے۔ سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے۔ ان کے پاس سونے چاندی کا ذخیرہ تھا مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے:

۱۔ مثلاً غزوہ تفسیر اور غزوہ خندق وغیرہ کے مواقع۔ ج صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات۔

۲۔ ایضاً نقل کعب بن اشرف۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (توبہ)  
 ”(حرس کی وجہ سے) جولوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ  
 میں خرچ نہیں کرتے۔“

﴿أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يَأْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا﴾ (نساء)  
 ”کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں  
 سے دوسروں کو نہ دیتے۔“

### خیانت:

خیانت حرس و طمع ہی کا نتیجہ ہے چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔  
 ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا﴾  
 ”ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا  
 نہ کریں گے جب تک تم ان کے سر پر سوار ہو جاؤ۔“ (آل عمران)  
 پھر اس خیانت کو اپنے لیے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔  
 ﴿قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيْنِ سَبِيلٌ﴾ (آل عمران)  
 ”(یہ خیانت) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے  
 بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں۔“

### بغض و حسد:

بغض و حسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے اس کی موجودگی میں کبھی حق و انصاف  
 کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اس کو  
 دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے  
 صرف نظر کر لیتا ہے اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی  
 تکلیف ہوتی ہے۔ یہود کی زندگی اس برے جذبہ کا عمل نمونہ تھی۔

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (نساء)

”کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جنہیں اللہ نے ان کو اپنے

فضل سے عطا کی ہیں۔“

﴿ هَا أَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ ﴾ (آل عمران)  
 ”ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے۔“

قرآن نے ان کے اسی بغض و حسد کی بنا پر فرمایا کہ:

﴿ مُؤْتُوا بَغْيُضْكُمْ ﴾ ”اپنے غصے سے مر رہو۔“

دروغ گوئی اور بد عہدی:

دروغ گوئی، بد عہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

﴿ سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ ﴾ (مائدہ) ”یہ لوگ غلط باتیں سننے کے عادی ہیں۔“

﴿ اتَّخَلَوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾ (مجادلہ)

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔“

عہد نبویؐ میں ان کی دروغ بیانی اور بد عہدی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، معاہدے کے ذکر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔ کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر اس میں بے حد بدنام تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے بد جت کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گرو رکھ دو۔ اس کی دانت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواج مطہرات اور صحابیات جنہن کا نام لے کر تشبیہ کرتا تھا۔

ایک برائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

۱۔ وہ اشعار جن میں حسن و عشق کے جذبات ظاہر کیے جائیں۔ ح۔ طبقات اشراہ ص ۱۱۰۔

ح۔ صحیح مسلم باب رجم الیہود۔

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کو گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے!

قرآن نے ان کے ان معائب کی تصویر ان لفاظ میں کھینچی ہے:

﴿تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِبُونَ بُيُوتَكُمْ مِنْ دِينِكُمْ﴾ (بقرہ)

”تم ایک دوسرے سے قتل قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو۔“

﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى﴾ (حشر)

”تم ان کو متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں۔“

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی، اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی، جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا۔ مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت کے بعد ایک بار جب ایسا واقعہ پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا، اور غالب گروہ کے پاس کہا بھیجا کہ اب نبی موعود ﷺ کی آمد کے بعد ہم یہ ظلم و ستم سہنے کے لیے تیار نہیں۔

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خاموش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر بھی ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

﴿الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَا وَيَجُودُونَ أَنْ يُحْمَلُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ (آل عمران)

”یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو۔“

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پرسکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون و اطمینان کی فضا پیدا نہ ہو سکی، مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہو گیا امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تا آنکہ پورا حجاز ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ جگوش اسلام ہو گئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو، اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت:

بعثت نبوی ﷺ سے قبل یہودیوں کے سیاسی تمدنی اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی و اجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو فوائد اور مضار منتج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور ذکر اوپر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے اس لیے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی و اجتماعی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں ان میں حسب ضرورت اگلے

۱ لا اکفر من الذین دین میں کوئی جبر نہیں ہے چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ہائیداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کو وصیت کی تھی۔



انبیاء خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے، مثلاً سورہ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورہ اعلیٰ میں صحف موسیٰ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورہ قمر، سورہ ق اور سورہ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کے برے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہ راست یہود سے قرآن نے خطاب نہیں کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جس سے اہل مکہ واقف تھے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

کئی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ اعراف میں ذرا تفصیل سے ”بنی اسرائیل“ کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے جس میں متعدد انعامات الہی کو گنا یا گیا ہے اور ان کی بار بار کی ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے، اگر ان میں سے ان آیتوں کو نکال دیا جائے جن کو مفسرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے، لیکن معلوم ہوتا

۱۔ ابن جریر، قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یتبعون الرسول الامی الہدی یحسدون مکسباً الا یہ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں جس میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے مگر اس کے علاوہ دوسری شہادت ہم کو نہیں ملی جس سے مکہ میں براہ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لیے حاشیہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہے کہ ابتداء اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے اس لیے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روحؑ اصحاب کہف اور ذوالقرنین وغیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات ہیں جو انہوں نے یہود سے سے پوچھ کر آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق کیے تھے اصحاب کہف کے متعلق تو حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) سے ان کے بارے میں سوال کرو اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے۔<sup>۱</sup>

لیکن اب تک یعنی سورۃ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو اہل عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست خطاب نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے

۱۔ روح کے سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا مگر ترمذی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (ﷺ) سے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو۔ فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۳۔ اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان چیزوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے کہا تھا۔ بہر حال دونوں باتیں یک وقت ممکن ہیں اس میں کوئی تضاد نہیں۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا ممکن ہے کہ یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔ ج طبری ج ۱۵ ص ۱۱۸۔

تک یہود سے براہ راست تعلق نہیں پیدا ہوا تھا۔ سورہ اسراء کے بعد سورہ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ کو دہرایا گیا اور مزید بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الہی آ جانے کے بعد بھی اختلاف کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے واسطے سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

﴿فسأل الذین یقرؤن الکتب من قبلک﴾ (یونس)

”تو آپ ﷺ لوگوں سے دریافت کیجیے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں (یعنی تورات و انجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت لوگ موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست سوال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان امکانات کے لیے قرآن کی اندرونی شہادت تاریخ نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا اس میں نطقی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن و سیرت کے مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا، اس پر اسے وثوق ہے اس لیے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورہ اسراء (یعنی بنی اسرائیل) اس کے بعد نازل ہوئی، اور سورہ یونس جس میں اوپر والی آیت مذکور ہے، سورہ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰

نبوی میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورہ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔

اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہل مدینہ نے، جس میں یہودی بھی تھے، اسے جانا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اسی کا اثر تھا کہ دوسرے سال ۱۱ نبوی میں یہ تعداد دہائی ہو گئی اور ۱۲ آدمیوں نے آ کر آنحضرت ﷺ

سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے جو وہاں رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر مدینہ پہنچے گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

یہود جو مدینہ کے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی اس حیثیت کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس بھی آچکے تھے۔ انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے<sup>۱</sup> جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں<sup>۲</sup>۔ ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے<sup>۳</sup> اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے<sup>۴</sup> بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث و مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب کے عالم ہیں۔

۱ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔ ۲ اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔ ۳ یہ ۱۲۶ جہاں زرقانی اور ابن سعد۔ ۴ جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت ہی ہے اس لیے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

۵ بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے۔ اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

بیان مذکورہ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداءً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا، بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے، مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورہ یونس کے بعد ہود اور حم جسدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں! ان سورتوں کے بعد سورہ غاشیہ کا نزول ہوا۔ اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی۔ پھر سورہ صافات نازل ہوئی جس میں ان کی کتاب تورات کو اماماً ورحمۃ کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔

پھر سورۃ انبیاء اتری اس میں اس کو 'الفرقان اور ضیا' کہا گیا، لیکن ترہیب و ترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اکسانے اور اعتراض کے لیے ابھارنے لگے، چنانچہ سورہ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرمات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرْمًا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ﴾

”اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے۔“

سورہ نحل میں مکرر ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرْمًا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلٍ﴾

”اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم اس سے قبل

آپ سے کر چکے ہیں۔“

ان دونوں آیتوں میں ”الَّذِينَ هَادُوا“ کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں۔ اس

سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا:

﴿ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ﴾ (انعام)  
 ”ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے۔“

﴿ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (انعام)  
 ”ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی لیکن وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرتے تھے۔“

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسندوں اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعے جن سے ان کا رات دن کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد:

یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں افق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے تشریف فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہود کے بعض صالح اور سلیم الفرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور مامون بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشین گوئی علماء و احبار کی بار بار یاد دہانی اور انصار مکہ کی آمد و رفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا بڑے بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جو نبی آپ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ

اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ح ابن الہیمان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشین گوئی کو یاد دلایا تھا۔ کتاب میں حضرت اسید کے حالات میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبق لے جائیں اور ہم رہ جائیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاک بھلا سے وہ نبی مقرر مبعوث ہونے والا ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دی تھی۔ ابھی اوپر حضرت سلمہ کی روایت گزری ہے جس میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے یہود کے ایک مجمع میں آپ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا، مگر ان کی تیرہ بھتی نے نور حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور وہ مسلمان نہ ہو سکے۔

عبداللہ بن سلام اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور الٹا اثر پڑا اور انہوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔ سرور دو عالم ﷺ کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا یعنی مشاہدہ بھی ہوا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مسجد نبویؐ اور کاشانہ نبوت کی تعمیر کے بعد جو پہلا کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا، تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحتانہ خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ان کے جنازے جاتے تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے: جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا آپ تو رات کے حکم پر عمل کرتے اور اس میں خود یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ سے اور مسلمانوں سے بحث و مباحثہ کرتے۔ مگر آپ ﷺ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰؑ

مثلاً ابویاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظام کر رہے تھے وہ آگے آئے ہیں۔ ان کی اطاعت کرو مگر اس کے بھائی حمی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا اس لیے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی۔ فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۲۔ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔ ع ترمذی شریف باب اذا اعطس الیہود۔

افضل ہیں یا حضور انور ﷺ، سخت گفتگو ہوگئی۔ یہود خدمت نبوی ﷺ میں شکایت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف لطف و کرم اور اخلاق و محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السلام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توجیہ کے لیے راعنا<sup>۱</sup> کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ سے اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے، آپ کی شان میں گستاخیاں اور آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے، ان سے بدکلامیاں کرتے، لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخیوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شرانگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے مبر و تحمل کا دامن کبھی نہ چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلہ میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جو صلح و امن کے لیے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمان کو ہدایت دیتا ہے:

﴿وَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرَةً

وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (آل عمران)

”اور تم بہت سی دلا زاری کی باتیں اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے سنے گے تو تم اگر ان پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ عزمیت کا کام ہوگا۔“

۱۔ راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجیے مگر یہود اس کو زبان دبا کر راعینا کہتے تھے جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے ”انظرنا“ کا لفظ استعمال کرو تا کہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔



شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفیق ولایت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آرہے تھے اس کا تو تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے ان کی دعوت کو قبول کرتے ان کے معاون و مددگار بننے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دور ہوتے جا رہے تھے اس کے اسباب اور موانع کیا تھے اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں:

① یہود میں متعدد طبقے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔

(ا) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت یا کسی اور کتاب الہی کا نزول نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بہت محدود تھا اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہو تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا چنانچہ انہوں نے بارہا آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے چند سوالات کیے۔ آپ نے جواب دیا تو کہا کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میری اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤد رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشین گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے خواہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود

کا اعتدال پسند گروہ تھا اور یہی آپ کی بشت کا مختصر تھا، اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا۔ مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کا راستہ اختیار کیا، اور ان کے ساتھ رہے، اور دولت ایمان سے محروم رہے۔

② عام طور پر یہودیہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا، لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔

حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰ ﷺ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔ دوسرے انبیاء کرام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سرو پا باتیں اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔

قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت و عفت کی شہادتیں پیش کیں۔ سورہ انعام، سورہ مریم، سورہ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو صدیقاً نبیاً، کسی کو کان من المخلصین وغیرہ کہا اور سورہ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کُل من الصالحین، سب کے سب صالح اور نیکو کار تھے۔ حضرت سلیمان ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ انہوں نے بہت زیادہ معہم کیا تھا اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورہ نحل، پھر سورہ بقرہ میں اس کی تردید کی اور ان کو ان چیزوں سے منزه قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کا بھی قرآن نے رد کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں

۱۔ تفسیر و سیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں ملتی ہیں اس لیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں، لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو ان شاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

یہود کی توقعات کے خلاف تھیں اس لیے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا اور وہ برافروختہ ہوئے۔

① یہود جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ہر طرح کے اخلاق ذمیدار اور معائب سیدہ میں مبتلا تھے مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس لیے وہ اپنی موجودہ اخلاقی روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لیے جائز بھی سمجھتے تھے جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کی موجودہ حالت کا زوال تھا خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لیے انہوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی ہی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں اتنی ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

② یہود نے شرف و نجابت کا مدار ایمان و عمل کی بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا اسلام آیا تو اس نے شرف و عزت و نجابت و بخشائش کا مدار ایمان و عمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا:

﴿ وَمَا تَقْلُمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ نَجْوًا ۝ ۱ ۝ ﴾

”اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے

اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔“ (مزل ۲)

شرف و عزت کا یہ معیار قرار دیا:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۝ (صحرات: ۲) ﴾

”تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

۱۔ یہ آیت سورہ مزل کی ہے جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعمہ شرف و عزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں اس لیے وہ چراغ پا ہو گئے۔

⑤ اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی۔ اس لیے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کم تر، حقیر اور بے مایہ سمجھتے تھے خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا، ان میں اسلام آیا اور انہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو ان کی دینی اور علمی بے مائیگی دور ہونے لگی اور ان کا احساس برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف و فضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی چاہے اس عزت و شرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی نہ رہ گیا ہو اس بنا پر یہود اپنے فضل و شرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف و خصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

⑥ ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی نہ اخوت، بلکہ ہر طرف اختلاف انتشار اور ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، وہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا، اس نے اختلاف کو اتحاد سے انتشار کو وحدت سے بدلا، ظلم و ستم کی بجائے اخوت و مساوات کی تعلیم دی جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت و مساوات اور اتحاد و اتفاق کی نئی روح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا علمی نمونہ پیش کیا کہ انصار کے قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آ رہے تھے ان کو شیر و شکر کر دیا، پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرادیا۔ انصار کے قبائل خصوصیت سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آ رہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ اس لیے ان کو متحد و متفق ہوتے اور گلے ملتے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اس اخوت و مساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ

لینے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے ایک غالب اور مضبوط تھا، دوسرا مغلوب اور مقہور، غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سوسق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیتے یہ ظلم و ستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، آپ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ:

انا انما اعطينا کم هذا ضیماً منکم لنا وفر قانمکم فاما اذا قدم محمد  
فلا نعطیکم ذلک۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۶)

”ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں، اب جب کہ محمد (ﷺ) کے آنے کے بعد (ظلم و زیادتی کا خوف نہیں ہے) تو ہم زیادہ دیت نہیں دے سکتے۔“

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لیے کس قدر سوہان روح ہوئی ہوں گی۔

⑦ یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی مگر جب تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی اب اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا، پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں چنانچہ ان کے اس کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا، اس لیے قرآن نے ان تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ سورہ بقرہ رکوع ۷ اور ۱۸ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اسی قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے مثلاً کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قروم بن عمرو وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا یا محمد (ﷺ) یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔ اگر آپ پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور اتباع کریں گے!

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اطلاع کی بنا پر نہیں کی تھی نہ یہ غشاء تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کر لیں بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کنزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

● ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی اس لیے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طرابلسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے تسع مینات<sup>۱</sup> کے متعلق سوال کیا ارشاد ہوا کہ شرک نہ کرو آپس میں قتل و خونریزی نہ کرو چوری اور زنا سے پرہیز کرو جا دو گری اور سود خوری سے باز آؤ پاکہاز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ بزدلی نہ دکھاؤ کسی کنزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے<sup>۲</sup> کی کوشش نہ کرو۔ آپ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور پکارا ٹھے:

۱ طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ج قرآن میں ہے کہ ولقد انبأنا منی تسع مینات  
مینات اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے تسع آیات کیا ہیں اس میں اختلاف ہے۔

۲ ج اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام میوب ان میں موجود تھے۔

نشہد انک نبی۔ ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک نبی ہیں۔“  
 آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میری اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے انہوں نے کہا:

انا نخشى تبعناک ان یقتلنا الیہود۔ (مسند طبری ص ۱۶۰ ج ۵ و نسائی)

”ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔“

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ ”اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء و احبار کو وظیفے ملتے تھے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا کہ:

هو الذی کنا ننتظر۔ ”یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔“

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا اس لیے یہ کہہ کر کہ میرے مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں وظیفہ دینے سے انکار کر دیا۔ علماء و احبار اس کے یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بزارنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے غلٹ میں جواب دے دیا تھا۔ بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی یہ محمد (ﷺ) وہ مختصر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ:

لکل من تابعهم من الاحبار شیئاً مالہ۔ (ج ۲ ص ۹-۱۰)

”جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان احبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔“

اوپر جو اسباب و موانع بیان کیے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہودی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور ان کو چھپانے کے لیے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

## یہود سے معاہدہ:

اوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا، جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کی بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

- ① یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- ② یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
- ③ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- ④ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔
- ⑤ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔
- ⑥ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔
- ⑦ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا وہ بدستور قائم رہے گا۔
- ⑧ یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۴ دفعات پر مشتمل ہے جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود سے متعلق ہیں جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو شخص یا قبیلہ عہد شکنی کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک یہ کہ کس سہ میں ہوا اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟



تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ واقعات میں کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ”عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی“ کے صفحہ ۸۵-۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد یعنی ۳ ہجری میں مرتب ہوا اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لیے اس کے پاس دلائل بھی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوہ بدر کے بعد تسلیم کیا جائے تو پھر بنو قیہاق کے زمانہ اخراج کو کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لیے کہ ۲ ہجری کے رمضان میں غزوہ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قیہاق کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہود یہ تھے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔ یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ اس میں شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے بلکہ بعض مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی اگر تمام یہودی قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقصان معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ:

اب تک ان کی جو روش تھی اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقصان عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے آپ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی

حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے جن کا مرعی رکھنا ان کے لیے ضروری تھا۔ غزوہ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے تھی مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی پھر بھی ان کو اس پر نہ کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرز عمل میں کوئی فرق آیا بلکہ بنو قریظہ نے تو غزوہ بدر کے فوراً بعد ہی نقض معاہدہ کا اعلان کر دیا اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار میں انہوں نے بے حرمتی کی لیکن آپ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار وجود پر قائم رہے تو آخر میں آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذاب الہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا ہم قریش نہیں ہیں ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا<sup>۱</sup> چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لیے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ پھر کچھ دنوں کے بعد شام چلے گئے۔<sup>۲</sup>

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قریظہ کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہ ہوئی اور نہ انہوں نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں خفیہ ساز باز کی قریش کو درپردہ مدد دی۔

<sup>۱</sup> غزوہ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ سے اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو ہآسانی ختم ہو سکتے ہیں۔

۲ ح واقدی ص ۱۸۰۔ ح واقدی ص ۲۶۲۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لیے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقص معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۳ ہجری میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ ہجری میں بنو قریظہ کا استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے اس لیے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

۳ ہجری میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پرسکون ہو گئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی، یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قریظہ تو وادی القرئی ہوئے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیر میں قیام پذیر ہو گئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا، یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں، انہوں نے خیبر کے یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرگروہ جی بن اخطب تھا اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش: بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

جی بن اخطب: ترکتھم بین خیبر والمدینۃ یترددون حتی تاتوہ فنیسروا معہم الی محمد واصحابہؑ میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آہ کا انتظام کر رہے ہیں تم کو

محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤں گئے۔

قریش: بنی قریظہ کا کیا حال ہے؟

حی بن اخطب: اقاموا بالمدينة مکراب محمد حتی تاتوهم فیمینہ اعلام۔ ”بنو قریظہ

مدینہ میں محمد (ﷺ) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے۔“

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو درحقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی جو غزوہ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر ہے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رکے ہوئے تھے اس کا اس موقع پر انہوں نے درپردہ اظہار بھی کیا، مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو تو ان کی درپردہ کیا دیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا اس لیے غزوہ خندق کے فوراً بعد ہی مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔ یہود خیبر سے جنگ:

غزوہ خندق کی عبرت تک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنبیہ نہیں ہوئی اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آمگم بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہود خیبر کا سردار امیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ان کو ابھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیش روؤں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے مرکز حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا!

امام سرخسی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لما كان بين اهل مكة واهل خيبر من المواخاة على ان رسول الله

صلى الله عليه وسلم اذا توجه الى احد الفريقين اغار الفريق الاخر!

”اہل مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ

دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا۔“

ایک طرف یہود کے مکرو فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا دوسری طرف اہل خود اہل

مکہ غزوہٴ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے جس کی

اطلاعیں برابر بارگاہ رسالت میں پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے بیک وقت

دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہل مکہ سے کہیں زیادہ

اہل خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے تو اہل مکہ سے حدیبیہ

میں صلح کر لی تاکہ دشمن کا ایک بازو بیکار ہو جائے امام سرخسی لکھتے ہیں:

فوادع اهل مكة حتى يامن جانبهم!

”اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کر لیا جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی

طرف سے اطمینان ہو گیا۔“

اور اہل خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کر دیا۔ چونکہ یہ محرک مختلف حیثیتوں سے

بہت سخت تھا اس لیے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرما دیا کہ:

لا يخرجن معنا الا راغب الجهاد.

”صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو۔“

اس کے دو مقصود تھے ایک تو یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں

اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لیے نہیں بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ

اور حفاظت خود اختیاری کے لیے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض حلیف قبیلوں نے راستہ میں ان سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی مگر مسلمان ان تمام موافق سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکہ پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے پھر ان کے پاس منجلیقیں تھیں جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے لیکن آخر کار یہود کے تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گزشتہ ریشہ دو انیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے مگر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیر خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے مکانات باغات سب واپس کر دیئے ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور ﷺ کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا آ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچاؤ۔

دوران جنگ میں تو رات کے کچھ نئے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے وہ ان کو واپس کر دیئے گئے۔

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک نہیں مقرر کیا گیا، بلکہ مسلمان تحصیل دار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے، وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی شکست کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لیے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرحسی لکھتے ہیں:

ان اليهود بالحجاز كانوا ينظرون مایؤل الیہ حال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع اهل خیبر فقد كانوا عز الیہود بالحجاز فلما صاروا مقهورین ذلت سائر الیہود انقادوا.

”حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو جنگ تھی اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لیے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر تھے، جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی متقاد و مطیع ہو گئے۔“

چنانچہ اس کے بعد فدک، تیما، وادی القرئی اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی۔

حجاز سے باہر متقنا، جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے ان میں سے بیشتر نے ۸ ہجری و ۹ ہجری کے درمیان اطاعت قبول کی، غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی

قوت و عزت کا خاتمہ ہو گیا اور پھر ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم و فنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید و مضر اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن و معاشرت سے انہوں نے کیا اثرات قبول کیے، وغیرہ تھنہ تفصیل ہیں، لیکن ہم کو قارئین کتاب کی در ماندگی نظر کا احساس ہے اس لیے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو اس مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔





## نصاری

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے تعلقات کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں سے ایک عیسائیت بھی تھی جزیرہ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل نے قبول کیا، صحیح طور سے ان کی نشاندہی مشکل ہے، تاہم عرب کے نصاریٰ کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ عرب میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجارتی تھے، یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آ کر آباد ہو گئے جس کی وجہ سے یہودیت کو فروغ ہوا۔ اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتداء اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمد و رفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا، مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو اور یہاں بس گیا ہو اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔ عرب کے پڑوس میں روم و حبشہ عیسائی حکومتیں قائم تھیں، جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت کو فروغ ہوا، اس لیے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصروہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلاتے ہیں۔

### رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات:

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی، چین، ہندوستان، افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مال تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کا ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے۔<sup>۱</sup> لیبان نے لکھا ہے کہ ۴ صدی قبل مسیح سے پہلے سے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جوہرات وغیرہ قسم کی چیزیں جو ہندوستان و چین سے آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ سے دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرہ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔<sup>۲</sup>

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے۔

### رومی عیسائیوں سے تعلقات:

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نوآبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھی تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلج جن کو ضحائمہ اور ضحائم بھی کہتے ہیں ان کی نوآبادی قائم تھی، ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر، عیاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے اس لیے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی، اس لیے دونوں کچھ تو اپنے

سیاسی مصالحت اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے جس میں دونوں کو کامیابی ہوئی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کے عربوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں اپنی ایک باجگوار ریاست بنالی۔

دمشق میں پہلے قبیلہ ضحیم جو یہاں کا سب سے طاقت ور قبیلہ تھا باجگوار حکومت قائم ہوئی سد مارب کے ٹونے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضحیمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر پیس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا مگر پھر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی جس میں ضحیمیوں کو شکست ہوئی اور غسانیوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آ کر لڑائی پر آمراء تھے اس لیے غالباً حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نسل جائیں اس لیے انہوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ ”تم بڑے بہادر لوگ ہو تم نے عرب کے سب سے طاقتور قبیلہ کو شکست دے دی اس لیے ضحیمیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہو تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں کوئی دخل نہ ہوگا چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی۔

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے عام مورخین اور انسائیکلو پیڈیا

۱۔ تمدن ۳ ب ۸۵۔ ۲۔ نخط الشام ص ۶۳ ج ۱۔ ۳۔ کتاب الحمر ص ۳۷۱ حیرہ کی تاریخ نشی اجاگر ہے اتنی ہی غسانیوں کی تاریخ ابھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اجاب میں کتاب الحمر سے لیا ہے جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کی ابتدا کا واقعہ ہے، مگر صاحب کتاب الحجر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتداء تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی، محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا، اس کا نام دقیا نوس (DECIUS) تھا، جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دم ساز رہے یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے۔

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرہ عرب میں عیسائیت کی سوغات لائی اور پورے جزیرہ میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا، اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے۔ یعنی ان کی اسی حکم برداری کے سایہ میں ان کا تمدن ان کا علم اور مذہب بھی آیا، جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آگئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القرئی تک پھیلانے کی کوشش کی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لیے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جرہم اس پر قابض تھے اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے پردادا کے دادا قصی نے خزاعی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ قصی نہایت ہوش مند اور صاحب صلاحیت تھے اس لیے حلیل مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لیے ان کو وصیت کر گیا، لیکن بنو خزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی

۱ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ۔ سیاسی زندگی ص ۲۵۶۔ ج انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، بحوالہ سیاسی زندگی۔

کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصبی کامیاب ہو گئے۔  
ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ:

واعلانہ قبصر علیہا۔ (ص ۲۷۹) ”قبصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصبی کو مدد دی۔“

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس و خزرج میں جنگ ہوئی تو غسانی عیسائیوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی! ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی قصبی اور اوس و خزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد و اعانت یونہی نہیں تھی بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض بھی پوشیدہ تھی یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے، تفصیل آگے آئے گی۔  
اہل حبشہ اور عربوں کے تعلقات:

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعے پھیلے، مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لیے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

بعض مستشرقین نے حبشہ (ابی سینا) کے صوبہ امبرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ امبرہ سے ثابت کیا ہے۔<sup>۱</sup> ابن خلدون نے مبرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر و حبشہ تک پھیل گئے تھے۔<sup>۲</sup> ممکن ہے کہ اسی تعلق کی بنا پر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔<sup>۳</sup>

۱۔ ابوالندا، ص ۹۸ و فاء الوفاء۔ ۲۔ سیاسی زندگی ص ۱۳۹۔ ۳۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۷۔

۴۔ اس لیے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے وہ مارب نونے سے پہلے یمن سے باہر جاتے تھے اور سد مارب کے متعلق اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آچکی تھی اس وقت حمیری حکومت تھی جس کے فرمانروا یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں سے کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھی اب لیے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔ اسی اثنا میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آ گیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے۔ ذونواس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت ”قَتَلَ اَصْحَابَ الْاَنْخُدُودِ“<sup>۱</sup> میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یعنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا اس لیے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی بعض مورخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصر روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم۔ اور مدد کے خواستگار ہوئے ہوں۔

بہر حال قیصر متاثر ہوا اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں۔ خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعے آئے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اتر گئی اور یمن پر حملہ کر دیا جس میں ابتداً ان کو شکست اٹھانی پڑی مگر فوراً ہی حبشہ سے مزید کمک آ گئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی۔ ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۲۹۶ء کا ہے۔ ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آ گیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا۔ اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا جس سے

عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا۔

ہم نے اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیر سایہ یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے۔ ان واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس کی طرف سے برابر گورنر مقرر ہو کر وہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گزرا ہے جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں بہت سے تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیئے ہیں جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

اصحاب الفیل:

اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحاب فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اور قرآن میں اس کا ذکر آ جانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں۔ کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہو گیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعا جا کر کلیسا کو گندا کر دیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کر لیا اور مکہ پر حملہ کر دیا۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزیہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزانہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے جن میں محمد بن الحزازی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں نے یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کر دو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لیے آئیں یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ جب یہ قبیلہ بنو کنانہ پہنچے تو اس کے چند

افراد نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاہی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے لیے ذونواس نے یہودیوں کے قتل کا بہانہ بنا لیا تھا حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے تحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لیے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کر دی۔

ادھر آچکا ہے کہ قصبی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد و رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے ہاشم، عبد شمس، نوفل، عبد المطلب، ان میں سے ہر ایک نے جزیرہ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کیے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔ عبد شمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، عبد المطلب نے یمن کے تمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ بن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لیے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا تو اسی کے ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم لیا جائے اور سردوں پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ابھی چکا

پوری تفصیل طبری تفسیر سورہ نمل میں موجود ہے۔ ج محمد بن حنیبل نے ایلاف کے معنی اللہ و یقینی ہونے لکھے ہیں۔ کتاب المہر ص ۱۶۲۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے یاقوتی ج ۱ ص ۲۸۔ ابن سعد ج ۱ ص ۳۳، ۳۵۔ بعض مفسرین نے سورہ ایلاف کی تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔



تھا مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہو سکی۔ جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو ان کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ میں مدد کی ہو۔ لیکن اس راہ میں سب سے بڑی چیز جو حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس تھا اور اس کی وجہ مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لیے ابرہہ نے دو کلیسے بنوائے ایک صنعا میں اور دوسرا نجران میں اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لیے وفود بھیجے مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا۔ کا اور نہ وہ مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کر سکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آ گئے ہوں گے جس کو اس نے اپنے حملے کا بہانہ بنا لیا، جیسا کہ آج کل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامیابی ہوئی۔ یہ واقعہ ۶۰۵ء میں ہوا۔ اسی سال رحمت عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کو بھی دخل تھا جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوہان اور اونی کپڑا حبشہ لے جاتے تھے اور وہاں سے نلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں اور ان کا میان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو پہلے سولتیس حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہو گئی تھیں بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف عربوں کی رنجش اور کمزورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں

اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوکئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی، بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی! غرض ظہور اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز اور رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی، اس شکست سے اہل مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج ہوا جس کی وجہ سے سورہ روم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿الم غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سیغلبون فی

بضع سنین﴾

”اہل روم مغلوب ہو گئے ایک قریب کے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند برسوں میں وہ پھر غالب ہوں گے۔“

چنانچہ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں

عام مفسرین یہی بتاتے ہیں لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کر لی جائے تو حبشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں مگر ایسا نہیں تھا بلکہ حبشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہور اسلام کے وقت بالکل استوار تھے ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو بھی داخل ہو۔ ۲ یورجین مورنمین لکھتے ہیں کہ روم زوال و انحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں ان کے دو بارہ غالب آنے کی پیشین گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا معجزہ ہے۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوئی تو اہل مکہ خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہل کتاب ہیں اس سے رنج ہوتا۔ ۱۱۶ میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت بزدلی ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینا پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے بعض مشرکین نے حضرت ابو ہریرہ صدیق سے کہا آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو فتح پائی ہے۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح منادیں گے۔ قرآن نے اسباب نگاہی کے خلاف یہ پیشین گوئی کی۔ حضرت ابو ہریرہ

اور ایرانیوں کو شکست ہوئی آپ اس وقت مدینہ میں جلوہ افروز فرماتے اور یمن غزوہ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم و جدید تعلقات کی بناء پر جزیرہ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

### نجران:

نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زرخیزی و شادابی اور صنعت و حرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ بنو اسماعیل یہاں قدیم زمانے سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی عیسائیت کی ابتداء کب ہوئی۔ اس کی صحیح تعیین مشکل ہے، معتم البلدان میں ہے کہ فیمن ایک نصرانی عابد تھا اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتدائی ہوئی لیکن اس سے سنہ کی تعیین نہیں ہوتی۔ البتہ اوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے سنہ کی تو نہیں مگر زمانہ کی تعیین کی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ اس کی ابتداء بعثت نبویؐ سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات و انقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا اس لیے لازمی طور پر اس کا اثر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا جس کو عبدالممدان نے بنوایا تھا اور جو ”کعبہ نجران“ کے نام سے مشہور تھا اس کی تعمیر کا بھی وہی

۴۹۔ اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دربارہ ایرانیوں پر فتح یاب نہ ہو تو میں تم کو سواونت دوں گا اور اگر کامیاب ہوئے تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے چنانچہ ۷ برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابو بکرؓ نے ان سے سواونت لیے۔ (طبری تفسیر سورہ روم)

۱۔ معتم البلدان ج ۸ ص ۲۶۲۔ فجر الاسلام ص ۳۰۔

مقدمہ تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی ریاست قائم تھی جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی، اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا ایک علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا۔ اس وقت سید کے عہدے پر ابو حارثہ نامی ایک شخص قابض تھا، جس کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابو حارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال و دولت کا ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت اس عہدہ پر سرفراز کیا۔

۷ ہجری میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، جس میں اسی ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدہ دار بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سالانہ ٹیکس کی ادائیگی کے وعدہ پر آپ نے ان سے مصالحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابو حارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومتہ الجندل، بحرین، معان، الہٰ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی جن میں سے اکثر کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلہ میں آچکا ہے ان میں

سے جنس ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم کی تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرہ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القرنی وغیرہ وادی القرنی میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (تجزیہ اسلام ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پارسی تھی ان کے نام یہ ہیں:

### قبیلہ غسان:

یہ یعنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے نوٹنے کے بعد جزیرہ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔

بنو تغلب:

مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرہ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے وقت اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب بھی پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا، کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا اسد الغابہ میں ہے:

ان کثیراً من العرب قد تنصر کتغلباً

”بہت سے عرب قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا۔“

ابن قتیبہ اور یعقوبی وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد شرف بہ اسلام ہوئے جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ

مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعہ بن نعمان بارگاہ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں اس لیے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے یہ شجاع اور طاقت ور ہیں ان کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ ان پر جزیہ لگائیں تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے) بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں۔ چنانچہ حضرت فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

**بنو کلب:**

یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کے پاس آباد تھا۔ ظہور اسلام کے وقت دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا۔ اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار اصغ تھے جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوششوں سے حلقہٴ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حوالہ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی۔

**قضاہ:**

پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ حجاز و شام کے تجارتی راستے پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی ذمہ داریاں دہشت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

۱۔ ابن قتیبہ ص ۲۸۹۔ ۲۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۸۹۔ ۳۔ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۸۹۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور بزم معلقہ کا صدر نشین شاعر امراء القیس اسی قبیلہ سے تھا، جس کی بنا پر عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا کہ یہ عیسائی تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ:

جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی۔

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ بطن میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے، حضرت عدی بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

قبیلہ عبدالقیس:

جو عمان کے قریب آباد تھا، اس میں بھی نصرانیت موجود تھی، حضرت جارود بنی اسد جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوخ، لخم، ندج، بہرا، سلح و غیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی اور ان میں سے بیشتر بالکل رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موتہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آراء تھے۔ ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سو تالیف و بطور وظیفہ ملتا تھا۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لیے عیسائی حکومتوں نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لیے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا، لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر

۱۔ معارف ابن کثیر ص ۲۶۶ تہذیب الامم ج ۲ ص ۲۹۳۔ ح ابن شام ذکر جنگ موتہ۔

۲۔ آنحضرت سیرت کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ص ۲۵۸۔

برائے نام ہی پیدا ہو سکا، جس کو قبضہ میں لانے اور اس پر اپنا اثر قائم کرنے کے لیے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا جس نے چشم زدن میں پورے عرب کی کاپیا پلٹ دی۔ اس کے لیے نہ کوئی سیاسی چال چلی گئی نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا، بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہرے سے سارا عرب مسکورا اور حلقہ گوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ:

عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرہ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کی ہاجگزار ریاست تھی جہاں قبیلہ لخم کی حکومت تھی۔ لخم کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا! اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی۔ اس کا نام ہند تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا "دیر ہند" بنوایا تھا۔ طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا! اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے "دیر حظلہ" بہت مشہور تھا، جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیسہ کے پچا حظلہ نے بنوایا تھا۔

حیرہ کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں عیسائیت نے بغیر کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔



## عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات:

اوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرہ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا، لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشہد تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ عربوں کے ذہن و دماغ اور علم و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مرتب ہوا؟ یہاں مختصر اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں ان سے اس کی کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

## ثقافتی و تمدنی اثرات:

اوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انہوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظام حکومت خود ساختہ نہیں بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہن منت معلوم ہوتا ہے جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فنقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکہ کی شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے۔“

(سیاسی زندگی ص ۲۵۹)

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات وغیرہ کے جو واقعات و حالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

## علمی اثرات:

نصرانیت یونان و اسکندریہ میں پروان چڑھی تھی، اس لیے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم و فنون مثلاً طب، نجوم اور مابعد الطبیعیاتی افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا مذہبی سے زیادہ فلسفی ہوتے ہیں اس لیے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے کافی مدد ملتی تھی، ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔ خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعیاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کو مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم و فنون کا جو سرمایہ عربی میں منتقل ہوا وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا، خصوصیت سے فلسفہ و طب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

## ادب و شعر:

عربی ادب و شاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بین ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب و شعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی و بلندی، پہاڑ کے نشیب و فراز، راستوں کی فراخی و تنگی، صحرا کی خشکی و ویرانی کے لیے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے جن سے ان مناظر و کیفیات کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے، لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لیے عربی لغت کو کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے، ان میں بھی خالص عربی الفاظ تو بہت کم ہوں گے۔ اونٹ، تلوار اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لیے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم و ضروریات کے لیے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے، اور جو ہوں گے بھی وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے لیکن معنوی

کیفیات کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی و مسرت، لبو و لعب، عیش و معیش کے حالات و جذبات کے اظہار کے لیے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے جتنی بہتات نھر و فاقد، حزن و ملال اور قتل و خونریزی کے الفاظ و محاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کی نشوونما جس سر زمین میں ہوئی، اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر ہے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا، ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔ غسانی گونسلہ عرب تھے، مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کی وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کے علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے، مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرہ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس دو گونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائی بھائیوں کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سناتے تھے، انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و معیش سے متاثر ہوتے تھے۔ تابندہ، یانی، 'عشی'، المرقش، اکبر اور علقمہ النحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا:

لله در عصابة نادمتهم بو ما بحسق في الزمان الاول

خود حضرت حسان بن ثابتؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران

جلد بن ابہم کے اہتمام میں ہوئی تھی، مدعو کیا تھا، جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں

سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سنا تھا۔ پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و محم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

امیہ بن الصلت نے سب سے پہلے بِاسْمِ اللّٰہِ کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح امابعد کو سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحف قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا جو اس سے پہلے عربی میں رائج نہیں تھے، مثلاً ”قرو ساہوز“۔ ”یسل و یعمد“۔ اسی طرح اللہ کے لیے ”سلیط“ اور قفرو وغیرہ الفاظ اس نے استعمال کیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئیں، عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اوپر آچکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں وہ یہ ہیں:

سریانی الفاظ: فردوس، ط، طور، ہیئت، لک، ولات، حین، مناص، میں، ولات، ربانیون، ربیون، ربو، الیم، صلوت، (کنائس) قنطار۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو انشاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معنی سریانی سے آئے ہیں، مثلاً قیوم، اسفار، آذر، قلم، سجد وغیرہ۔

۱۔ اغانی ج ۱۹ ص ۱۳، فجر الاسلام ص ۳۰۔

۲۔ فجر الاسلام ص ۳۲۔

رومی الفاظ: قسطاس رقیم، طفق اور قسطاس وغیرہ۔

حبشی الفاظ: جبت، طاغوت، حوب، طول، سکر، کجل، مشکوٰۃ، مناسق، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب التوکل اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعثت نبویؐ کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن و حدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل و مناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ۱۵۷ ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیر کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی نلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کیے ہیں، کوئی تضاد نظر آئے تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنون احسان فرمائیں گے۔

اس میں نلطی اور ترمیم و اضافہ کا اس لیے بھی اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، بلکہ یہ نقش اول ہے جس کو ایک نومشت طالب علم نے اپنی کم سواد اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے اور اس کی جزاء آخرت میں عطا فرمائے۔

رسانا تقبل منا انت انت السمیع العیم.

خادم: محیب اللہ ندوی شبلی منزل، اعظم گڑھ

۱۶ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۵۱ء

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(الف)

(۱) حضرت ابرہہؓ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ابرہہ نام شامی یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے نام و نسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام:

ان کے قبول اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس نام کو دو نام شمار کر کے ایک جگہ "ابرتہ السعیتی" اور دوسری جگہ "ابرتہ آخری" کی سرفنی قائم کی ہے لیکن غالباً یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے اصابہ صفحہ ۱۷۱۔ اکثر کتب طبقات ان کا نام شامی ہونا درج ہے حافظ ابن حجر نے بھی اصابہ میں اجد اشمانیہ الشامین لکھا ہے مگر جہاں انہوں نے ان کے دوسرے احباب کے حالات لکھے ہیں وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھے ہیں: "احمد النصابیہ الدبلیہ قدمہ امن رہان الحشہ" یا اور لیس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: "احمد النصابیہ السہاجرین من الحشہ" اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستظاً حبشہ آگئے ہوں گے اور وہ ہیں اسلام قبول کیا ہوگا۔ یمن سے ملوک حیر کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا اس میں ایک ابرہہؓ ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مسال العلوم صفحہ ۹۳۔

گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں درخور حاصل ہوا اور ان کے ذریعہ سے اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہوئے کا موقع ملا تو خود نجاشی اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا۔ غالباً ان ہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے۔

خدمت نبوی ﷺ میں حاضری:

اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ واپس آ رہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

غزوات:

کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور سے ثابت نہیں ہے۔

فضائل:

آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں:

۱۔ چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے۔  
 ۲۔ آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں حالات نکلنے وقت اشارہ کر دیا جائے گا۔  
 ۳۔ اسد الغابہ میں ہے کہ جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں اسلام لائے تھے انہوں نے مدینہ جا کر نبی ﷺ کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی چنانچہ وہ اجازت لے کر مدینہ آئے اور غزوہ احد میں شرکت بھی کی اس میں حضرت ابرہہ بھی تھے۔ اسباب میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے مگر امام ذہبی نے تجزیہ میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ اشہد احداً و ہذا لا یثبت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے مگر اہل رجال نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہو گیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲)

﴿ الَّذِينَ آمَنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ..... أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ  
 أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا ﴾<sup>۱</sup> (فصص)  
 ”جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں  
 (اور قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں)..... یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی  
 وجہ سے دو ہر ا ثواب ملے گا۔“

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ جبشہ سے علمائے نصاریٰ کا  
 جو وفد آیا تھا اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہر حال اسی وفد میں تھے۔<sup>۲</sup>  
 ﴿ وَتَلْجِدَنَّ أُمَّهُمُ مَوْدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكِ بَانَ  
 مِنْهُمْ قَسِيْبِيْنَ رُحْبَانَا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ . وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى  
 الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ﴾ (مائدہ: ۱۱)  
 ”مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے  
 آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے زاہد  
 و درویش ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، جب وہ سنتے ہیں اس کو جو  
 رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں  
 سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔“  
 سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



۱۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاحہ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں  
 کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسی اور  
 عبداللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔  
 ج ۱ ص ۱۰۱، ج ۱ ص ۱۰۲، اسد الغابہ ج ۱ ص ۶۲۔



## (۲) حضرت ادریس رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ادریس نام شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام:

آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔  
زیارت نبوی ﷺ:

حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فضائل:

آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ﴾

”یہی لوگ ہیں جن کو دو ہر اثواب ملے گا۔“

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔



۱۔ اصحابہ ج ۱ ص ۲۷۰ پر حضرت ابرہہ کے تذکرہ میں شامی یا حبشی ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔

۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً۔

### (۳) حضرت اسید بن سعید

نام و نسب:

اسیدؓ نام باپ کا نام سعید تھا قبیلہ ہدلی جو بنو قریظہؓ ہی کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسب تعلق تھا۔

اسلام:

بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے لوٹ لی غلام بنائے جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن ابیہانؓ کی

اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیر "ی" کے لکھا ہے مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹ اسد ج ۱ ص ۳۳۔

ع ہدلی ' هذه النسبة الى الهدال اخوة بنی قریظہ و دعوتهم (ای نسبہم ج ۱ ص ۲۳۶ لسان) بنی قریظہ (سمعانی) بنو ہدلی بنی قریظہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

ع ابن ابیہان ایک یہودی عالم تھا جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا میں اگر زندہ رہتا تو اس کی اتباع کرتا دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا اور نہ یہ امر ارضی تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اسد ج ۱ ص ۳۳ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۷۔

بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کی اتباع کرو! مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسید بن اسیدؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچا لیا۔  
وفات:

آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں اس دارفانی کو چھوڑ چکے تھے۔  
فضل و کمال:

جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو ان کو آپ کی اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا، گو آپ کو اس راہ میں نشانہ ملامت و مصیبت بننا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَانِمَةٌ يَنْتَلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ (آل عمران)

”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں ایک جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں۔“

زندگی کے اور حالات پر وہ خفا میں ہیں۔ ثلثہ آپ کے بھائی تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔



## (۴) حضرت اسدؓ بن عبدید

نام و نسب:

اسد نام باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام:

بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسدؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور پھر اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے۔<sup>۲</sup>

وفات:

آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

عام حالات:

زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی۔ صاحب تجریدؒ

نے لکھا ہے کہ:

لہ ذکر من وجہ عجب: ”عجیب و غریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے۔“  
 غالباً اس سے ابن ابہیمان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔<sup>۳</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

فضائل:

آپ بھی ان صحابہؓ میں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ﴾ (آل عمران)  
 ”سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۳۸۔ ۲۔ اصحاب استیعاب و ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹۔ ۳۔ تجرید مذکورہ اسد۔

۴۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ۵۔ استیعاب ج ۱ ص ۳۶۔

## (۵) حضرت اسد بن کعب القرظی

نام و نسب:

اسد نام باپ کا نام کعب<sup>۱</sup> بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا، حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل طور سے نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔

﴿ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ ..... الْح ﴾

”اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

اسلام:

زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی، غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل و کمال:

آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنا لیا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو اور تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

۱۔ غالباً یہ وہی کعب ہے جس نے غزوہ خندق میں قریش وغیرہ سے مدد لینے کا وعدہ کیا تھا اور قریظہ کے روز قتل کیا گیا۔ یہ وہ کعب نہیں ہیں جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنو قریظہ کے روز تباہیوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اسباب جلد ۳۳۔

۲۔ استیعاب میں ثعلبہ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ ج ۷ ص ۷۸۔

## (۶) حضرت اسید بن کعب القرظی

نام و نسب:

اسید نام باپ کا نام کعب بن اسد تھا آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسد کے جن کا تذکرہ اوپر ہوا ہے بڑے یا چھوٹے بھائی تھے!

اسلام:

ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی تعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردہ اخفا میں ہیں آپ بھی ان تمام افضال و انعام الہی کے مورد مستحق ہیں جن کے مستحق آپ کے بھائی حضرت اسد رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابن جریر نے اس آیت کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

﴿مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ يُتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ﴾

”اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے جن کے آپ کے بھائی حضرت اسد رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔



## (۷) حضرت اشرف حبشی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

اشرفؓ نام تھا، حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدۂ عیسائی تھے۔

اسلام:

اپنے دوسرے رفقاءؓ حضرت ابراہیمؓ اور حضرت ادریسؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں آمد:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمت نبویؐ میں آیا تھا اس میں

آپ بھی تھے۔

وفات:

وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

فضل و کمال:

آپ علمائے نصاریٰ میں تھے حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں

لکھا ہے کہ:

من رهبان الحبشة. "حبشہ کے راہبوں میں سے تھے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علماء نصاریٰ میں تھا، لیکن اسلام قبول

کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ

سے کوئی روایت ہے۔

۱۔ حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں ان کو قسم اول میں شمار کیا ہے جس سے ان کی اہمیت

کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ۲۔ اوپر ان کا تذکرہ آچکا ہے۔ ۳۔ اصابع اص ۵۱۔

## (۸) حضرت بحیرا الحبشی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

بحیراؓ نام شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدۂ نصرانی تھے۔

اسلام:

غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرفؓ و تمامؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

زیارت نبوی ﷺ کا شرف:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے شرف ہوئے۔

وفات:

وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

روایت:

ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے آپ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے:

عن جعفر بن محمد عن علی بن ابیہ عن جدہ قال سمعت بحیرا  
الراہب یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شرب

۱۔ یہ وہ بحیرا الراہب نہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دونوں کو ایک شمار کیا ہے اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابراہیمؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یہ دوسرے بحیرا ہیں ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لیے بحیرا الراہب کو انہوں نے قسم رابع میں داخل کیا ہے اور انہیں قسم اول میں اصابع چ ص ۳۶۔



الرجل كأساً من خمر الخبأ

”جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بحیرا سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ پلایا جائے۔“

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے جرح کے الفاظ یہ ہیں:

هذا حديث منكر ولم اسمع بحيرا عند غير هذا

”یہ منکر حدیث ہے ان کے علاوہ بحیرا کی کوئی اور حدیث نہیں۔“



۱۔ بقیہ الفاظ حدیث جستجو و تماش کے بعد بھی نہیں ملے، تجرید ج ۱ ص ۳۶۔

۲۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا راہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آئے تھے۔ اصابع اول ص ۱۳۹۔

## (۹) حضرت بشیرؓ بن معاویہ

نام و نسب:

بشیر نام ابوعلتمة کنیت باپ کا نام معاویہ تھا اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام:

اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نام مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت ﷺ کے اس نام مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ ناملائم الفاظ استعمال کیے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا کہ وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا چنانچہ شوق و وارفتگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیث تغدوا قسفا و ضیبتھا معترضافی بطنھا فیھا

مخالفا دین النصارى دینھا

خدمت نبویؐ میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی

میں گزار دی۔

شہادت:

غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی۔

۱۔ اسبابہ جلد اول صفحہ ۱۶۰ قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے لیکن اسبابہ نے ان کو دو شمار ہے اور یہ وہ اس لیے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔

(ت)

## (۱۰) حضرت تمام رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

تمام نام شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔

اسلام:

اوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت:

آپ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے آئے اور زیارت نبویؐ سے بہرہ مند ہوئے۔

وفات:

وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

وفد مع بحیرا و ابرہہ فی حدیث ساقط تمرہ<sup>۱</sup>۔

”بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعے میں تھے“۔

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

<sup>۱</sup> حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا اس لیے ج ۱ ص ۱۸۳ تجرید ص ۶۱۔

## (۱۱) حضرت تمیم الحبشی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

تمیم نام، شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام:

آپ کے چند احباب کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت:

حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبوی سے بہرہ ور

ہوئے۔

وفات:

آپ سے کوئی روایت نہیں ہے!۔  
وفات و عام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔



## (۱۲) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

تمیم نام ابورقیہ کنیت، داری نسبت ہے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ تمیم بن اوس بن خارجہ ابن سور بن حزم بن ذراع بن عدی بن الدار بن بانی بن حبیب بن تمارہ بن لخم بن عدی بن عمر بن سبا۔

ابن ہشام نے عمرو بن سباء کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں۔ شام کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ لخم<sup>۲</sup> سے نسبی تعلق تھا اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

۹ ہجری میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات:

اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے سب میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ نے کفاح کے لیے شام میں قریہ عینون کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحریری سند بھی لکھ دی تھی مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کر دی چنانچہ عہد نبوی کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانے تک آپ مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ملی فتنہ و فساد شروع ہوا تو آپ بادل تا خواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن

۱ حفاظ ابن عبدالبر نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت اسی کی طرف ہے مگر یہ تو جہید صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے جیسا کہ سلسلہ نسب میں مذکور ہے یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔ فاما النسبة ای الحد فسمہ ابورقیہ الداری (سمعانی ص ۲۱۹ ذکر داری) ۲ لخم و جہام بن کے رہنے والے تھے جو شام میں آ کر اقامت پذیر ہو گئے تھے (سمعانی ذکر لخم ص ۳۹۵) ۳ اصابت استیعاب ابن سعد۔ ۴ ابن سعد اسد الغابہ۔

شام چلے گئے۔ آپ جب شام سے مدینہ آئے تو اپنے ساتھ کچھ قدیمیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قدیوں میں تیل ڈال کر مسجد نبویؐ میں لٹکا دیں اور جب شام ہوئی تو انہوں نے انہیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت تمیم بن مہاجرؓ کا نام بتایا۔ آپ بے حد خوش ہوئے ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انہوں نے اپنی بیوہؓ صاحبزادی ام المغیرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں ام المغیرہ سے حضرت تمیم بن مہاجرؓ کا نکاح کر دیا۔

### وفات:

مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ ۴۰ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا اور بیت جبرونؓ میں مدفون ہوئے۔

### اولاد:

آپ کی کوئی اولاد زینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں جن کی نسبت سے آپ کی نسبت ابورقیہ ہے۔

### علم و فضل:

اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں ہوتا تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق

۱ ابن سعد جز ۲، ص ۱۱۳، اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور سے شام واپس چلے گئے۔ ۲ پہلے ان کا نکاح براء یا ابوالبراء سے ہوا تھا۔ ۳ اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۳۵۔ ۴ ارباب طبقات میں آپ کا نہ وفات نہیں ہے البتہ تہذیب الجذب میں ہے کہ آپ کی قبر پر چھ ایسے نشانات پائے گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات میں ہوئی۔ تہذیب ص ۵۱۲ جلد ۱۔ ۵ اصحاب جبرین ہے اور تہذیب میں جبرون۔ میں نے تہذیب ص ۲۰۰ کے بیان کو اختیار کیا ہے تہذیب ج ۵ ص ۵۱۳۔ معانی ج ۱ ص ۲۱۹۔

قرآن مجید کی جانب منتقل ہو گیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قنادہ کا قول ہے کہ:

كان من علماء اهل الكتابين ۱۔ ”آپ کا شمار انجیل و قرآن کے علماء میں تھا۔“

بعض لوگوں نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔

تراویح کی امامت:

فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابی بن کعب کو اور عورتوں کا امام تمیم داری کو مقرر کیا۔

ایک روایت:

آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک واقعہ مسلم میں موجود ہے روایت کیا ہے اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کیں ہیں مثلاً عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ، انس بن مالک، زراہ بن عوفی، روح بن زباع، عبداللہ ابن مویب، عطاء بن یزید اللیثی، شبر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم، سلیم بن عامر، شریبیل بن مسلم، قبیصہ بن ذویب، کثیر بن مرہ، ازہر بن عبداللہ وغیرہ۔

چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے سند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند کے درج ہیں۔

اتباع سنت اور مواظبت عمل:

آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نفل

۱۔ تہذیب الیضاً۔ ج ۲ ابن سعد جز ۲، قسم ۲ ص ۱۳۔ فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۱ بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن حمد کا نام ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔ ۲۔ محدثین نے اسی روایت سے روایت اکبار عن الصغار ایک مستقل اصول روایت بنالیا ہے اور یہی اس کی پہلی مثال ہے۔ ۳۔ مسلم شریف ذکر جہاد ص ۳۔

۴۔ تہذیب الجندیب ص ۵۱۱۔ ۵۔ یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔

پڑھتے دیکھتے نہیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داری سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو درشت لہجہ میں جواب دیا کہ:

لا ادعہما صلیتہما مع من ہو خیر منک رسول اللہ۔  
”میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا میں نے یہ دو رکعتیں رسول اللہ کے

ساتھ پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں۔“

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پرس نہیں کی اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح ہو جائیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔  
حصول ثواب کے لیے کام:

ایک مرتبہ روح بن زبناؓ آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کے لیے جو صاف کر رہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ:

ما من امرء مسلم ینقی لفرسہ شعرأثم یعلقہ علیہ کتب لہ بکل جہ حسنہ۔  
”جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لیے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر دانہ کے بدلے اسے ایک نیکی ملتی ہے۔“

اس لیے میں خود اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہوں تاکہ ثواب سے محروم نہ رہ جاؤں۔

عبادت:

آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ٹانہ ہوتی تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات تہم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت:

﴿ہم حسب الذین احترحوا السینات ان نجعلہم کالذین امنوا

و عملوا الصلحت سوا محباہم و محاتہم﴾ (حاثیہ)



”جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برابر رکھیں

گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے۔“

پر پہنچے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ محمد بن سیرین

فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ انہوں نے ایک قیمتی

جوڑا خریدا تھا جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے اس روز پہنچتے تھے۔

ریا سے پرہیز:

بائیں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص

نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال سے بہت

ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں وہ مجھے اس بات

سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں۔

مسجد میں روشنی کی ابتداء:

یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنت حسنہ جاری

کی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں

چراغ جلانے اور روشنی کرنے کی ابتداء کی۔

ایک کرامت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت

تمیم وہاں گئے اور بے خطر آگ میں ٹھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح و سالم واپس چلے آئے۔

حضرت عمر آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے۔

حلیہ و لباس:

خوش و پوش خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے۔

۱۔ اصحابہ السد الغابۃ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ۲۔ تہذیب اجندیہ ذکر تمیم۔ ۳۔ صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص

۱۳۰۔ ۴۔ ایضاً۔ ۵۔ ابن ماجہ باب المساجد ص ۵۶۔ ۶۔ اصحاب ج ۳ ص ۴۹۔ ۷۔ اسد الغابہ ص ۲۱۵ ج ۱۔

(ث)

## (۱۳) حضرت ثعلبہ بن سعیۃ الہدلی

نام و نسب:

ثعلبہ نام باپ کا نام سعیۃ قبیلہ ہدلی جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے نسبی تعلق تھا حضرت اسیدؓ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام:

جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن ابیہیانؓ کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسیدؓ اور قبیلہ کے ایک نوجوان اسد بن عبید کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا۔ آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات:

سند وفات کی تصریح نہیں مل سکی البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دار فانی کو چھوڑ چکے تھے۔

۱۔ اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ ۲۔ پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ ۳۔ اصحابہ ذکر اسیدؓ ص ۳۳ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے۔ اسد الغابہ ص ۲۳۱ و ابن ہشام ص ۱۶۹۔ ۱۔ اسد الغابہ ص ۲۳۱۔

فضل و کمال:

اہل کتاب صحابہ کے عام فضائل و محامد کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ ابن سعید کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ غزوہ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ کی خواہش ہوئی کہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بے حد رنج تھا۔ ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعید آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کر لینے کی خوشخبری سنائی۔ آنحضرتؐ نے مسرت آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہؓ ریحانہ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔

(ابن ہشام)

(۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن سلامنام و نسب:

ثعلبہ نام، باپ کا نام سلام۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بھائی تھے۔ پورا سلسلہ نسب عبداللہ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا۔

اسلام:

آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبداللہ بن سلام کے بعد اسلام لائے۔

وفات:

آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامے کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

## (۱۵) حضرت ثعلبہ بن قیس

نام و نسب:

ثعلبہ نام باپ کا نام قیس، یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام:

صحیح طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا، لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں آپ کا نام عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات:

سند وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل:

یوں تو ان تمام فضائل و انعام کے آپ بھی مستحق ہیں جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہؓ مستحق ہیں، لیکن ذیل کی دو آیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں۔ جب کفار قریش آنحضرت ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لیے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا:

﴿أُولَٰئِكَ يَكْفُرُ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يُعَلِّمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ ۱۔

۱۔ سورہ شعراء یقیناً یہی ہے، مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن جو لوگ اس کو سی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔ اس کا انہوں نے ۴۴

”کیا ان کے لیے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے نبی اسرائیل جانتے ہیں۔“

علماء سے جو لوگ مراد ہیں، مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ آپ پر قرآن پر حضرت موسیٰؑ اور تورات اور حضرت عزیرؑ پر تورات پر ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب و رسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ  
وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلِهِ ﴾ (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری اور ان کتابوں پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے اتارا ہے۔“

زندگی کے دوسرے حالات و کمالات پر دُعا خفا میں ہیں۔



۴۴ یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کرایا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آیت کے معنی سب یکساں ہیں۔

## (۱۶) حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک

نام و نسب:

ثعلبہ نام ابو یحییٰ کنیت حضرت ابو مالک صحابی کے جن کا تذکرہ آگے آئے گا صاحبزادے تھے۔ اصلی وطن یمن تھا۔ آپ کے والد ترک وطن کر کے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

اسلام:

اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ گوش اسلام ہوئے اور یہ اختلاف روایت شرف صحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اسابہ میں مصعب الزبیر کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے۔ امام بخاری نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے کہ:

ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اسابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سن شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ولد عسی عہد النبی صسی السہ عبہ وسمہ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے) جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ سہ روینہ (انہیں دیر از نبوی حاصل ہوا) حافظ ابن حجر نے اسابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے لیکن تہذیب اجدیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت کی زیارت کی ہے اور ان سے بغیر واسطہ کے روایت بھی کی ہے۔ ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کی صحابیت کی طرف ہے۔ گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرات کے اقوال بھی بالکل نظر انداز نہیں کیے جاسکتے لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انہیں صحابہ ہی کی فہرست میں رکھا ہے۔

کان کبیراً ایام بنی قریظہ (ج ۱ ص ۱۷۳) ”غزوہ بنی قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے۔“  
بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے بلکہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے، لیکن بہر حال ان کے زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی۔

وفات:

سنہ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

اولاد:

ان کی دو اولاد ابوما لک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابوما لک کا نام لیا ہے۔  
علم و فضل:

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما کا گھرانہ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابوما لک عہد متیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم و فضل اور صاحب روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہ نے رسول اللہ اور بڑے بڑے صحابہ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارث بن نعمان، حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ۔ ان سب سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقبہ، صفوانؓ بن سلیم، ابن البہات۔  
امامت:

قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما ہی کے سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

۱۔ تاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے امام بخاری کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اگر امام کا لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہو جائے گا جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔  
۲۔ تہذیب ذکر ثعلبہ۔ ۳۔ تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ۔ ۴۔ تہذیب ذکر ثعلبہ۔ ۵۔ تاریخ الکبیر ایضاً۔

وكان ثعلبة يوم بنى قريظة غلاماً.

”حضرت ثعلبہ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے۔“  
اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت کم سن تھے۔

(ج)

## (۱۷) حضرت جارود بن عمرو

نام و نسب:

بشیر نام ابو منذر کنیت، جارود لقب، نسب نامہ یہ ہے جارود بن عمرو ابن معطلی عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا، ”جرذ“ کے معنی بے برگ و بار کے ہیں۔ اس لیے جارود ان کا لقب پڑ گیا، اسی واقعہ کو بطور مثال ایک شاعر کہتا ہے:

فدسناهم بالخيل من كل جانب      كما حرد الحارود بکر بن وائل  
”ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعے روند ڈالا جس طرح کہ جارود نے  
بکر بن وائل کو صاف کیا تھا۔“

اسلام:

جارود نہ ہنبا عیسائی تھے قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ ہجری میں مدینہ آئے

۱ اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۶۱ اسباب اول تذکرہ جارود۔ ۲ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۶ بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی، جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں میں نے آپ کی صفات انجیل میں دیکھی ہیں۔ عیسیٰ ﷺ نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے پھر آپ نے آنحضرت سے کہا آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تاریخ ابن عساکر ص ۳۵۶۔



آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انہوں نے کہا محمدؐ میں ایک مذہب پر تھا اب تمہارے مذہب کے لیے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا ہاں میں تمہارا ضامن ہوں خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ گوش ہو گئے ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی آپ نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی<sup>۱</sup> قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں انہیں آگ سمجھو غرض جارود خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔

فتنہ ارتداد:

فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ چونکہ سردار قبیلہ تھے اس لیے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔

شہادت:

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

اولاد:

آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے۔

۱ اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۱ - ۲ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۶۶۔

۲ ایضاً - ۳ اصحابہ جلد اول ص ۲۱۷۔

ابو مسلم الجذامی، ابو القموس، زید بن علی، اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے، جارود شاعر تھے، اشعار ذیل بارگاہ نبویؐ میں بطور نذر عقیدت پیش کیے تھے۔

شهدت بان الله حق و سامحت بنات فوادى بالشهادة والنهضى  
 ”میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا“

فابلغ رسول الله انى رسالة بانى حنيف حيث كنت من الارض  
 ”میری طرف سے رسول ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں  
 گا موحد رہوں گا“

واجعل لنفسى دون كل ملعة لكم جنة من عرضكم عرضى  
 ”ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کے لیے  
 میری عزت ڈھال ہے۔“

قال لم تكن داري بيثرب فيكم فانى لكم عاد الاقامة والحفضر  
 ”اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی تمہارا ہی ہوں۔“

اخلاق:

جارود کے صحیفہ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہا کہ امیر المؤمنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر حد جاری کیجیے، آپ نے شہادت طلب کی، جارود نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو پیش کیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں تے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے قدامہ کو طلب کیا، وہ آئے ان کے

آنے کے بعد جارود نے پھر کہا 'امیر المؤمنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے' حضرت عمرؓ نے فرمایا اتنا اصرار کیوں ہے 'تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو۔ تمہارا کام شہادت دینا تھا جسے تم پورا کر چکے' اس وقت جارود خاموش ہو گئے 'لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا 'شہادت ناکافی تھی' اس لیے حضرت عمرؓ کو جارود کا بے جا اصرار ناگوار ہوا اور فرمایا 'تم تو مدعی بنے جاتے ہو' شہادت صرف ایک ہے' اس اعتراض پر جارود نے کہا 'عمر! میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو' آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا' اس تنبیہ پر جارود نے غضب آلود ہو کر کہا 'عمر! حق اس کا نام نہیں ہے کہ تمہارا ابن عم شراب پیے اور تم اٹنے مجھے برے سلوک کی دھمکی دو' آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی۔

روایت:

آپ چونکہ متاخرین الاسلام تھے اس لیے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے' مسند میں یہ ایک روایت ہے:

ضالة المؤمن حرق النار

مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بتایا اس نے اپنے کو آگ میں جلایا۔

آپ سے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الجذامی و مطرف ابن عبداللہ بن شحر و زید بن علی و ابوالحوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔



۱۔ اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔

۲۔ مسند ج ۵ ص ۸۰۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

## (۱۸) حضرت جبر رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

جبر نام عبد اللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

خدمت نبوی ﷺ میں اکثر ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی، ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورہ یوسف کی تلاوت فرمائی، ان پر کلام الہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔  
تعذیب اور کتمان اسلام:

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے ان کو ڈرتھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد و رفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا، لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے، چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال ویسا ہی تھا، چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿و قلبہ مطمئن بالایمان﴾

” (ان کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب (ایمان پر مطمئن ہے)۔“

فتح مکہ اور آزادی:

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں آئے اور اپنی تکالیف اور گزشتہ مشقتوں کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا آزادی کے بعد انہوں نے پودی زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔  
نکاح:

بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی۔

ذریعہ معاش:

تکوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا۔

فضائل:

بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن ان کا نام بھی آتا ہے، طبری نے اس آیت کے ضمن میں:

﴿وَلَقَدْ نَعَلْنَا أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ

أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾

”اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھاتا ہے، جس

شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے، اور یہ قرآن

صاف عربی ہے۔“

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا گیا ہے۔



## (۱۹) حضرت جبل رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

جبل نام قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا مگر یہودی قرظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبد غضم بن حجاج بن مجلہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان المشاء الذبیان ثم العطسیؓ۔

اسلام:

آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں، ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں:

کان یہودی مع بنی قریظۃ فاسلمؓ۔

”یہودی تھے بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے پھر اسلام لائے۔“

مگر قرآن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوہ بنی قریظہ کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے اسلام لائے تھے۔ اس لیے بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حمی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے۔

الا یاسعد' سعد بنی معاذ      لما فعلت قریظۃ والنظیر

ترکتہم قدر کم لا شئی فیہا      وقد ر القوم حامیة نفور

ولکن لا خلود مع العنایا      تحطف ثم نضمہا الغیور

جس کا جواب حضرت حسان بن ثابت نے اسی بحر و قافیہ میں دیا:

تعاهد معشر نصر وعلینا      فلیس لہم ببلد تہم نظیر

ہم اوتوا الکتاب فضیعوہ      فہم عن التوراة بور

کذبتہم بالقران وایتم      بتصدیق الذی قال النذیر

ظاہر بات ہے کہ اگر وہ اسلام لائے ہوتے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار

نہ کہتے اور نہ حضرت حسان بن ثابتؓ کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انہوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:

رمیت نطاة من النبی بضلیق شہباً ذات مناقب ووقار

میں نے نطاة (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی ﷺ کے ایک بہادر اور مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا۔

وفات:

وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

(۲۰) حضرت حیرہ نجرہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

حیرہ نجرہ نام نسبا اور عقیدہ یہودی تھی لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام:

رسول اللہ ﷺ نے حیرہ نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انہوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی اس لیے آپ نے مہلت چاہی مگر حیرہ نجرہ نہ مانے اور کہا آپ جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ سے بالکل چٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا۔ انہوں نے حیرہ نجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی

شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ”میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہدہ پر کسی قسم کا ظلم کروں۔“ پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیرنجہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

**فضائل:**

آپ کے صحیفہ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا و رغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔

(د)

## (۲۱) حضرت درید الراہب رضی اللہ عنہ

**نام و نسب:**

درید نام حبشہ کے رہنے والے تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اس میں حضرت درید بھی تھے۔

**فضل و کمال:**

راہب ان کے نام کا جز ہو گیا تھا جس سے ان کے فضل و کمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں ان میں حضرت درید رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا گیا ہے۔

﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾  
 ”رسول اللہ ﷺ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انہوں نے اسے سنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں پر نم ہو گئیں۔“



(ذ)

## (۲۲) حضرت ذووجن رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

علمہ نام ذووجن کے نام سے مشہور ہیں، حبشہ سے بہتر (۷۲) آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تھا اس میں آپ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام:

قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرف صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے۔  
 و صحبوا کلہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم.  
 ”سب کے سب صحابی ہیں۔“

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لائے تھے مگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے اسلام لانے کا بھی ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم۔

## (۲۳) حضرت ذومحرمؓ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ذومحرم یا ذومحرم نام شاہ حبشہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود تونہ آسکے مگر ان کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا۔  
خدمت نبوی ﷺ میں آمد:

حبشہ کے بہتر (۷۲) آدمیوں کے ساتھ آپ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

اسلام:

اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے، مگر حضرت نجاشیؓ حضرت ذومحرمؓ کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ بچا کے ساتھ حضرت ذومحرمؓ نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات:

غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح تو نہیں ملتی، البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامان سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زادراہ سفر زیادہ چاہیے) چنانچہ

۱۔ تجرید اور البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۳۳ امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذومحرم (م) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے البتہ امام ترمذی ذومحرم (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔

تہذیب احمد ج ۳ ص ۲۲۲۔

اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں۔ آپ ٹھہر گئے جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو پھر فرمایا کہ رات کے وقت مگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذوقر فرماتے ہیں کہ میں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی کی نیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔ میں آپ کی اور آپ کی اونٹنی کی نیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور لے گیا اور دونوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ میں برابر اونٹنیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آگئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں دونوں کی نیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سو رہے تھے آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اٹھے اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر کی قضا کی۔<sup>۱</sup> اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوہ ہی کے لیے رہا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک تو آپ مدینہ میں رہے۔ بعد میں شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی اس لیے کہ اہل طبقات آپ کو شامین شمار کرتے ہیں۔

وفات:

وفات کے متعلق اہل طبقات نے تو کوئی تصریح نہیں کی ہے البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ:

نزل الشام ومات بہ. "شام گئے اور وہیں وفات پائی۔"

علم و فضل:

آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں۔ حسب ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں 'ابو جی الموزن'

جبرائیل بن نفیر، عباس بن عبد الرحمن، عمرو بن عبد اللہ الحضرمی وغیرہ۔  
خدمت نبوی ﷺ:

ذو حجر رضی اللہ عنہما کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے موالی کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

## (۲۴) حضرت ذومناحبؓ رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناحب (خ) اور بعض لوگوں نے ذومنارح (ح) اور بعض نے ذومناحب لکھا ہے۔  
زیارت نبوی ﷺ:

آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذووجنہ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔



۱۔ موالی جن کو اردو میں غلام کہا جاتا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتے تھے اور خادم وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالی خاص ہے اور خادم عام۔

۲۔ بعض لوگوں نے ذومناحب اور ذومنارح کو دو سمجھا ہے مگر اسد الغابہ نے تصریح کی ہے کہ ذومنارح اور ذومناحب ہما و احد (دونوں ایک ہیں) ۱۳۵۔

## (۲۵) حضرت ذومہدم رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

ذومہدم نام آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔  
 خدمت نبوی ﷺ میں آمد:

جب حبشہ کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذومہدم نے ان اشعار میں جواب دیا:

على عهد ذى القرنين كانت سيوفنا      صوارم يغلقن الحديد المذاكرا  
 وهودا بونا سيد الناس كلهم      وفي زمن الاحقاف غداً مفخرا  
 فمن كان يعمرى عن ابيه فاننا      وحدنا ابانا العذ على المذاكرا  
 اور دوسرے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔



۱۔ اسد الغابہ میں ان کے اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہودا بونا قابل غور ہے اس لیے کہ اہل حبشہ وہود بنی نسطہ کی اولاد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عرب کے باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہو۔ واللہ اعلم اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳۵۔

(ر)

## حضرت رافع القرظی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

رافع نام بنو قریظہ کی ایک شاخ زبناع تھی۔ آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زبناع سے تھا۔

اسلام:

اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں درخواست:

آپ کو اپنے متعلق غالباً کچھ خطرہ تھا اس لیے آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی:

انه لا یجنی علیہ احد الا یدہ .

” (اپنے کیے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ کوئی دارو گیر نہیں کر سکتا۔“

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔



۱۔ تجرید میں رافع بن القرظی درج ہے مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس لیے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اس باب ص ۵۰۱۔

## (۲۷) حضرت رفاعہ بن السموال

نام و نسب:

رفاعہ نام باپ کا نام سوال<sup>۱</sup> یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ سوال کی ایک لڑکی ہبرۃ حنی بن اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی

۱۔ سوال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس لیے یہودی یا نصرانی ہونے میں تمویز یا اختلاف ہے۔ الاب شہر جنہوں نے سوال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سوال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سوال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا لیکن جن اشعار سے الاب شہر نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے ہمارے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سوال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اس کی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سوال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سوال ہی کی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حنی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے لکھا ہے کہ وہ تھا۔ کا یہودی تھا ص ۱۰۹۔

۲۔ مسودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن تھا اور نسبی تعلق عادی یا سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن ہبرۃ حنی بن اخطب سے منسوب تھی شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے آئے

اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہوتے تھے۔  
اسلام:

آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ غزوہ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔ (البدایہ ج ۴ ص ۱۲۶)

آپ کا نکاح اور طلاق:

عائشہ یا تمیمہ نامی ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی لیکن کسی وجہ سے انہیں طلاق دے دی۔ حضرت تمیمہ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا مگر عبدالرحمن بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوش گوار نہیں رہے اس لیے انہوں نے ان سے بھی علیحدگی کر لی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضرت رفاعہ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ اس آیت:

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾

”جب وہ طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہوتی۔“

گئے ہوں گے اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ہے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا کا باپ سہیل بن عبادیہ کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عبادیہ کا خاندان تمام پر حکمران تھا (القبیہ والاشراف ص ۲۵۸ بحوالہ سیاسی زندگی ص ۳۳۶ از ڈاکٹر حمید اللہ)

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۱۔

۲۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ سہیمہ، ریمہ، (ہیمہ) تمیمہ، اسماء مذکور ہیں مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۵۔

۳۔ چونکہ یہ صورت طلاق کی تھی اور حضرت عبدالرحمن اب تک ان سے متباعد نہیں ہو سکے تھے اس لیے آپ نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۲)



کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔<sup>۱</sup> اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا خیال ظاہر کیا مگر انہوں نے بھی روکا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہو گی تو تم کو رجم<sup>۲</sup> کر دوں گا۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی:

اس مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے، لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دار فانی میں رہے اور کب داعی اجل کو لبیک کہا، تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

## (۲۸) حضرت رفاعہؓ القرظیہ

نام و نسب:

رفاعہ نام، باپ کا نام قرظہ، نسباً یہودی تھے۔ جب بنی قرظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کیے جائیں۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا اس وقت کس تھے اس لیے قتل نہیں کیے گئے۔

اسلام:

قبول اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی، اصحابہ میں اس قدر ہے کہ ”ان کو دیدار نبوی حاصل ہوا تھا“ آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے کہ:

۱۔ اسد الغابہ میں یہ یہی واقعہ رفاعہ بن زہب کے تذکرہ میں درج ہے، مگر آخر میں انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ اصحابہ جلد ۱ ص ۵۱۹۔ ۳۔ بعض لوگوں نے رفاعہ بن السمواں اور ان کو ایک تصور کیا ہے، مگر اصحابہ میں اس کی تردید ہے۔ اصحابہ ۱ ص ۵۵۹۔ ۴۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲۵۔

کان ابی من وفد الذین اسلموا من اهل الكتاب  
 ”اہل کتاب کے اس وفد میں جنہوں نے اسلام قبول کیا میرے باپ بھی تھے۔“  
 فضل و کمال:

آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہوتا ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:  
 ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ، الَّذِينَ آمَنَهُمُ الْكِتَابُ مِنْ  
 قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ﴾  
 ”ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً کیے بعد دیگرے بھیجا تا کہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن  
 کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)  
 حضرت رفاعہ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل  
 ہوئی ان میں ایک میں بھی تھا۔“

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بنا پڑا، مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش  
 نہیں آئی۔ آپ کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے  
 گزرتے تو مان کا مذاق اڑاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:  
 ﴿أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ ۳  
 ”یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دو ہر اثواب ملے گا۔“



(ز)

## (۲۹) حضرت زید بن سعنے

نام و نسب:

زید نام باپ کا نام سعنے آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا نسبی تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام:

زید بن سعنے نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرہ انور پر دیکھ لی۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا جب ان کا بھی تجربہ ہو گیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کر دیا کہ آپ کے حلم کا اندازہ کروں فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کر لو تو رزق کی فراوانی ہوگی۔ لیکن اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے۔ بارش بالکل نہیں ہوئی ہے یا رسول اللہ ﷺ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لیے کچھ غلہ وغیرہ بھیجتے تو بہت بہتر ہوتا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے کچھ اور فرمایا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعنے کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا آپ فلاں باغ

کی کھجوریں قرض کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں مگر کسی خاص باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اسی مشقال سونا ایک متعین مدت کے لیے دے دیا۔ جب مدت ختم ہونے میں دو تین روز باقی رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غضب آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنو عبدالمطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کئی بار لین دین کا تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمر بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور کہا کہ اود دشمن خدا! رسول اللہ ﷺ سے گستاخی کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے عمر! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضا کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کر دوں۔ عمر جاؤ اس کا قرض ادا کرنے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا عمر! تم نے مجھے پہچانا انہوں نے کہا نہیں میں نے کہا میں زید بن سعہ ہوں حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ زید جو انحر (عالم) مشہور ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا بات تھی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا۔ زید بن سعہ نے کہا کہ نبوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت ﷺ کے چہرے بشرے سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

هل يستبق حلمه جهلا ولا تزيد شدة جهل الا حلماً

”کیا اس کا حلم اس کے غصہ سے سبقت لے جاتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں حلم و تحمل کو اور بڑھادیتی ہیں۔“

ان باتوں کا تجربہ ہو گیا اس لیے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا!

## وفات:

آخری مرتبہ زید غزوہ تبوک میں شریک ہوئے، پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی!

## غزوات:

اسلام لانے کے بعد سے جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

## انفاق فی سبیل اللہ:

آپ کے صحیفہ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا!

(س)

## (۳۰) حضرت سعد بن وہب

### نام و نسب:

سعد نام۔ باپ کا نام وہب، قبیلہ بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

### اسلام:

بنو نضیر جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کیے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے ان میں ایک حضرت سعد بن وہب بھی تھے۔ بنو نضیر نے رسول اللہ کے ساتھ بدعہدی اور دشمنی کی حد کر دی تھی چنانچہ جب وہ جلا وطن کیے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی، مگر حضرت سعد چونکہ اسلام لاکھ تھے اس لیے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں۔

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۰۵۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ اسباب تجرید وغیرہ۔ ۴۔ البدایہ ج ۳ ص ۷۶۔

## (۳۱) حضرت سعنے رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سعنے نام پورانام۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعنے بن عریض بن عادی التیمامیؓ نبیؐ اور عقیدۃ یہودی تھے۔

اسلام:

زمانہ قبول اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاونین میں تھے اور ان سے خاص تعلق تھا۔

حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو:

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لیے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعنےؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ ارض تہام کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرور بھی ہوتی تو بھی میں اسے فروخت نہ کرتا۔ پھر آپ اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آ گیا۔ حضرت سعنےؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعنےؓ نے فوراً کہا کہ اے معاویہ! تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

قاتل اللہ من یقاتلک

”اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے“

حضرت امیر معاویہؓ کے بعد موضوع منگلو بدل کر دوسری منگلو فرمانے لگے۔  
وفات:

حضرت امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔  
طریقہ:

بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت اور خوش وضع و خوش لباس تھے۔ اصحاب میں ہے کان احسن الشیوخ سناوا انظہہ نوبانج

## (۳۲) حضرت سعید بن عامر

نام و نسب:

آپ کا نام سعید باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجربہ نے آپ کو قبیلہ غم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصحاب میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا ان میں حضرت سعید بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

﴿الذین اتینہم الکتب ینزلونہ حق نزلونہ﴾

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔“



۱۔ صحیح ابن جریر نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ صحیحین ہیں مگر میں نے ابن ابی عمیر کا لکھا ہوا حال  
سودا، مدینہ کا نسخہ پایا جس میں قرآن تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ ج اصحاب ۲ ص ۱۱۳۔

۲۔ اصحاب ۲ ص ۵۹۔ طبری تفسیر آیت مذکورہ

## (۳۳) حضرت سلام رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سلام نام، سلسلہ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام:

اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی، البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولِهِ  
وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِن قَبْلُ﴾ (نساء)

”اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر نازل کی گئی اور جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی۔“

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔





## (۳۴) حضرت سلمہ بن سلام

نام و نسب:

سلمہ نام باپ کا نام سلام مشہور صحابی عبداللہ بن سلام کے بھائی تھے۔

اسلام:

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔“

اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔



## (۳۵) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام ماہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: ماہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بہوذان بن فیروز بن سہرک۔

حالات قبل از اسلام:

سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریب کے باشندے اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھرنی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔ آتش کدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق تھی۔ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتدا سے تھا اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلور ہا اور نہایت سخت مجاہدات کئے۔ شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا شمار ان بچاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان:

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔ اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جا سکا اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا۔ ان کو رستہ میں ایک گر جا ملا۔ اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے۔ نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں

سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ شام میں پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔ باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے۔ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں۔ جواب دیا بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔ اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔ چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتلانا۔ چنانچہ جب کاروان تجارت واپس لوٹنے لگا ان کو خبر کی گئی یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے، لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

### تبدیل مذہب:

چنانچہ وہ مجوسیت کے آتش کدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آ گئے، مگر یہ پادری بہت بد کردار اور بد اخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آ جاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کی بجائے خود لے لیتا۔ حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات منگے اس کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آز کو دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سارا اعلیٰ نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات منگے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کی بجائے اس کی نعش کو

صلیب پر لٹکا کر سنگسار کر دیا۔ اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادت الہی میں مشغول رہتا۔ مسلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھے کو کیا ہدایت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیروکار ہو سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجود عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق کا سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر:

اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ البتہ ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔ پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ مسلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گزشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا اس نے عمور یہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

## عمور یہ کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عمور یہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور مبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب ملے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔ اس نے کہا جیسا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں۔ البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریستان سے اٹھ کر دین ابراہیم ﷺ کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ بدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

## اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر:

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عمور یہ میں رہے۔ کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبان حال سے یہ شعر: چلتا ہوں تموزی دور ہراک راہرو کے ساتھ پہچانا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

## غلامی:

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا کھجور کے درخت نظر آئے تو اس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تموزے دن قیام کیا تو یہ امید بھی منقطع ہوئی۔ آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے آیا۔ اس نے سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بچ دیا۔

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتف غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی تیرے عمکدہ کی آبادی تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی در حقیقت اس غلامی پر جو مقصود دو عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر تو اٹکن ہو چکا تھا لیکن جو رستم کے بادلوں میں

چھپا تھا۔

سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت میں اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے۔ آخر ایشیاد کر تے کرتے وہ روز مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ حرمان نصیب سلمان کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا۔ یعنی سرکار دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی نے آ کر کہا خدا بنی قیلہ کو غارت کرنے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔ سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و حکیم کا دامن چھوٹ گیا۔ بدن میں سنناٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تماشا پوچھنے لگے: تم کیا کہتے ہو۔ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔

اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس

تھیں۔ ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ

خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں۔ میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں۔ آپ لوگوں سے زیادہ ان کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سلمان جویشہ کونبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ قبول نہیں کرتا۔ دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نوش نہیں فرمائی تھیں آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح دوسری نشانی یعنی مہربوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرغم آپ کی طرف بوسہ دینے کو بھلے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دلچسپ داستان تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام:

حضرت سلمان جب اپنا گورہ مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔ آزادی:

غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوہ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کر لو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی۔ اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی اس کا سامان خدا نے کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرفی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمان کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گھو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

رہنے لگے۔

مواخاۃ:

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت باکل غریب الدیار تھے۔ کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابودرداء رضی اللہ عنہما سے مواخاۃ کرا دی۔

غزوات:

بدر واحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانے میں ختم ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوہ غزوہ خندق پیش آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کر دی۔ غزوہ خندق میں تمام عرب کا بڑی دل مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کر دے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی تعداد ریگان عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سلمان فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لیے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی۔ اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکر مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا۔ اور رجز یہ اشعار زبان مبارک پر جاری تھے۔ ذیقعدہ ۵ ہجری میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ آئے تو اُسے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے مگر یہاں آ کر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل

۱۔ قبل از اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴ سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی پارہ کے ہیں۔ ۳۔ ابن سعد ج ۲ قسم ۱ ص ۴۸۔

۴۔ بخاری ج ۲ کتاب المغازی غزوہ خندق۔



حائل ہے۔ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کیے پڑ رہے مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے۔

غزوہ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے! اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں شریک ہو کر داد شجاعت نہ دی ہو!

عہد صدیقی اور عراق:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کرنی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابو درداءؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا۔ انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے کے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا یاد رکھو مال اور اولاد کی کثرت میں کوئی خیر نہیں ہے بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو!

عہد فاروقی:

ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قیصر کے محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب

کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لیے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام قبول نہیں کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے۔ جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور کو بزور شمشیر فتح کر لیا۔  
فتح جلولہ میں شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

### گورنری:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق و عادات میں آئیں گی۔  
چونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مقررین بارگاہ نبویؐ میں سے تھے اسی لیے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدے پر فیک لگائے بیٹھے تھے، سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔  
علالت:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعد بن ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعد نے کہا ابو عبد اللہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرت ﷺ تم سے خوش خوش دنیا سے اٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ کچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زادراہ سے زیادہ نہ ہو۔ حالانکہ میرے گھر میں اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلیہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعد نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا:

۱۔ مسند ابن جنبل ج ۵ ص ۴۴۱۔ ۲۔ ابن سعد جزو ۲۴ قسم ۱ ص ۶۶۔ ۳۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۹۔

”کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو۔“ اس بیماری کے دوران میں اور احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔“

وقت آخرا یا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوا یا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغ روح نفس خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔  
فضل و کمال:

حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لیے قدرۃ آپ علوم و معارف نبویؐ سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا، اور وہ خود ایسا داریا تھے جو پایابی سے نا آشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم و حکمت میں لقمان کے برابر تھے۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الہی یعنی قرآن کا علم ہے، اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت و اختصاص کی بنا پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزاز اپنے اہل بیت میں داخل کر لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے ان کے کمال علم کے معترف تھے چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا۔ ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم و فضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان علم سے لبریز ہیں۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلاء صحابہ میں تھے آپ کی کوششوں سے حدیث

۱ ابن سعد جز ۳، قسم ۲ ص ۶۰۵۔ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔ ۴ استیعاب ج ۲ ص ۵۷۲۔

۵ ابن سعد ج ۳، قسم ۱ ص ۶۱۔ ۶ ایضاً۔ ۷ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۳۱۔

کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۶۰ ہے۔ ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور ادرتین میں بخاری منفرد ہیں! ابو سعید خدریؓ، ابو الطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالک اور ابن عمرؓ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔

گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ علم اول اور آخر کے امین تھے تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں لوگ اس کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ خود زیادہ جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آ کر کہا کہ ہم نے آپ کی بیان کردہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔ حضرت حذیفہؓ نے آ کر سلمانؓ سے کہا جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو غصہ کی حالت میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہو کر فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی برا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ۔ نہیں تو میں عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دوں گا!

چونکہ وہ اسلام کے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں۔ کلام اللہ اور انجیل کا۔ مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں

۱۔ تہذیب الکمال ص ۱۳۷۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۴۱۔

نے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراہ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے! عام حالات میں تقرب بارگاہ نبوی ﷺ:

حضرت سلمان حبشیؓ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے جس کو بارگاہ نبویؐ میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان حبشیؓ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔ غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہمارے زمرہ میں ہیں انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمان (حبشی) کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگ (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشاق ہے، علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کی۔ آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا خدا کی کوئی تلواریں دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو اور آنحضرت ﷺ سے آ کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا تو گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت تادم ہوئے اور آ کر ان بزرگوں سے معذرت کی۔

## اخلاق و عادات:

حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانے میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے اسی طرح مشرف بہ اسلام ہوتے کے بعد اسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہی ہے۔

زہد و تقویٰ:

ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ جتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لیے مکان بنا دوں۔ فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیغمبر اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا؟ عرض کیا اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سرچھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ اس نے ایک جمونپڑی بنا دی!

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مخرقات دنیاوی کو بھی پاس نہ آنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس یا بائیس ورہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا بچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا ٹکڑا بنا جاتا تھے۔ اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا یہ حال ہے! یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے اس وقت بھی کوئی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور

آدھا اوزھتے تھے! زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی یونیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے کوئی سوء ظن نہ پیدا ہو۔  
رہبانیت سے اجتناب:

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو درداءؓ بڑے عابد و زاہد تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے حضرت سلمانؓ ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو درداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کس کے لیے بناؤ سنگار کروں تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوا یا مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے ہی رہے۔ جب وہ عبادت کو اٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے ابو درداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں!

سادگی:

حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کی بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور خدم و حشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے اس وقت بھی

ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جاکھیا اور ایک اونچا پانچامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے اس لیے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ ”گرگ آمد، گرگ آمد“ کہتے۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی تیس تھی جو سواری پر سے کسی وجہ سے اٹھ گئی تھی۔ جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے تا نگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے اس ہیئت کڈائی کو دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے، لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔

ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی۔ فوجی امارت کی شان و شوکت کا تو ذکر کیا یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی۔ چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے مگر سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور اترتہ حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر اتر کیوں بنا رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ آرام و راحت تو صرف آخرت کے لیے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمان کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آنا گوندھ رہے ہیں، پوچھا خادم کہاں ہے۔ کہا کام سے بھیجا ہے۔ مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دود دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزبور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عیسیٰ نے جانور کے لیے چارہ خریدا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے ان سے کہا اس کو گھریں پہنچا دو وہ اٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں یہ حال دیکھ کر عیسیٰ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ آپ نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجہ کو بغیر پہنچائے ہوئے نہیں رکھ سکتا۔



فیاضی:

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے تھے ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے۔ ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تو حدیث نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے!

صدقات سے اجتناب:

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکتب بنا دیجیے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کروں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھون کھلانا چاہتے ہو۔<sup>۱</sup> (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا)

حلیہ:

بال گھنے کان لیے اور دراز قامت تھے۔

زریں اقوال:

حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جملے اور زریں اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے چند جو اہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں۔ چاہیے کہ علم نافع طلب کرو۔ آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی تو بقدر علم دین اسے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

۱ ابن سعد جزو ۳، قسم ۱ ص ۶۳۔ ج ۲ ایضاً ص ۶۳۔

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے تا آنکہ اسے موت آ جاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے بازنہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

ابو برداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (عالمًا بیت المقدس) میں چلے آئیے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی خود اس کا عمل مقدس اور حبرک بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنا دیئے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔ یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو برداءؓ جہنم کا یہ حال ہو گیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے فرماتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو شاید فیصلہ میں غلطی ہوگئی ہو۔

فرماتے ہیں کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کر رہی ہے دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں رو دیتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کی جدائی دوسری عذاب قبر تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا بولو نہیں۔ اس نے کہا کہ لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا

کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو۔ اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں، فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمائیے، فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی سے کام لو اور امانت ادا کر دیا کرو!

### (۳۶) حضرت سمعان بن خالد

صاحب اصحابہ نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنو قریظہ سے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔<sup>۱</sup>  
صاحب تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔<sup>۲</sup>

### (۳۷) حضرت سیمونہ بلقاوی رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

سیمونہ یا سیمانام، نسباً اور عقیدۃً نصرانی، بلقاء کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار عباد نصاریٰ میں تھا۔

اسلام:

یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ ارباب رجال صرف اتنا لکھتے ہیں:

۱۔ یہ تمام اقوال مغفوة الصفوة سے لیے گئے ہیں۔ ج ۱ اصحابہ جلد ۲ ص ۸۰۔

۲۔ تجرید ج ۱ ذکر سمعان بن خالد۔ ج ۳ تجرید ج ۱ ص ۲۷۰۔

کان نصرانیا شحنا ما فاسلم!ؑ  
 ”ایک نصرانی غائب شخص تھے پھر اسلام لائے۔“

مدینہ سے تجارتی تعلقات:

حضرت سیمونہ رضی اللہ عنہ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمی بقاء سے گیبوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت میں مدینہ کی کھجوریں بلقا لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ کے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا، یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیبوں سستا دیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں۔ اس بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انہیں کھجوریں لے جانے دو گے۔

وفات:

آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سن وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل:

شرف صحبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے فرماتے ہیں:

رایت النبی وسمعت من فیہ اذنیؑ

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور ان کے وہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا۔“

منصور بن صبیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں، حضرت سیمونہ سے

روایت کی ہے۔ؑ



(ش)

## (۳۸) حضرت شمعون رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

شمعون نام، ابوریحانہ کنیت، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، شمعون بن زید بن خنانہ القرظی، ام المؤمنین حضرت ریحانہ کے والد تھے۔<sup>۱</sup>

اسلام:

یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اسلام لائے مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ تصریح کی ہے:

له صحبة وسماع ورواية.

”صحابی ہیں، سماع اور روایت کا شرف حاصل ہے۔“

غزوات:

نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في الغزوة.<sup>۲</sup>

۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۶۰۳۔ ۲۔ ایضاً۔ ابن سعد نے حضرت ریحانہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسا بنو قریظہ سے تھیں لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعون بنو قریظہ کو بھی نفی سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ بھی یقین کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہ بنو قریظہ کی جنگ میں گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں اور بنو نضیر کی جلاوطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت شمعون بنو قریظہ نفی ہو اور حضرت ریحانہ بنو نضیر کی شادی بنو قریظہ ہی میں کر دی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔ ۳۔ اصحابہ جلد ۲ ص ۱۵۶۔

”رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے۔“  
 اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔  
 عہد فاروقی:

عہد صدیقی میں تو آپ کا ذکر نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا تو  
 آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے۔  
 شام کا قیام:

آپ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے، لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے  
 آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر واپس شام چلے آئے۔  
 وفات:

سنہ وفات معلوم نہیں ہے۔

فضل و کمال:

آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:  
 کان من فضلاء الاخيار الزاهدين في الدنيا الراجين مع عند الله.

(استيعاب ج ۲ ص ۶۱۰)

”اخيار علماء میں تھے۔ دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے۔“

اسد الغابہ میں ہے:

کان من صالحی الصحابة و عبادهم. (ج ۳ ص ۴)

”صالح، نیک اور عبادت گزار صحابہ میں ان کا شمار تھا۔“

اسابہ میں ہے:

کان یكثر السجود. ”نمازیں بہت پڑھتے تھے۔“

۱ اسابہ جلد ۲ ص ۱۵۶۔

۲ اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۔

## قرآن سے شغف:

قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔ بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا منہمک ہو جاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے، کھانا کھایا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے، کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھرا ہی کو پڑھتے رہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے کچھ آرام کر لینا چاہیے تھا۔ آپ نے فرمایا: ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

ان ذکر تک لکان علی حق.

’اگر تم یاد آگئی ہو تمیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا۔‘

بیوی نے پوچھا: آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا:

التفکر فیما وصف اللہ فی جنۃ ولذاتہا حتی سمعت المودن.

’اللہ تعالیٰ نے جو جنت اور اس کے لذات کی تعریف کی ہے اسی میں غور و فکر

کرنا رہا یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو گئی۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۵۶)

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے، مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ آپ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور

اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

لا منحمل ما لا تطیق علیک بالسجود. (کتاب الاسماء، اکتی للذوالی ج ۱ ص ۳۰)

’اپنی یادداشت بھریا د کرو۔ نماز کی زیادہ پابندی رکھو یعنی جب نماز زیادہ

پڑھو گے تو قرآن بھی بار بار پڑھو گے اس طرح وہ یاد رہے گا۔‘

(ص)

### (۳۹) حضرت صالح القرظی رضی اللہ عنہ

صالح نام تھا، قبیلہ قرظیہ سے آپ کا نسب تعلق تھا۔ جب مقوقس (شاہ مصر) نے ماریہ قبطیہؓ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصحابہ نے اس کی تردید کی ہے۔  
رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حضرت ابویوب انصاری کے مکان میں ٹھہرایا۔  
زندگی کے اور دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(ع)

### (۴۰) حضرت عامر الشامی رضی اللہ عنہ

عامر نام شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔

اسلام:

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے۔ مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لائے تھے خدمت نبویؐ میں مدینہ آئے۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامر بھی تھے۔ ان آنے والوں

اصحابہ میں ہے و الصواب قبطی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں۔ تجرید ج ۱ ص ۲۸۱ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۰۔ ج ۱ ص ۲۷۲ ص ۱۷۴۔ ج ۱ ص ۱۷۴۔ ج ۱ ص ۱۷۴۔ پوری تفصیل حضرت اشرف کے حالات میں گزر چکی ہے



کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ كِتَابِ رَبِّنَا إِذَا نَالُوا مِنْهُ إِيمَانًا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴾

”جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر بھی ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں۔“

## عبدالحارث بن السنی

نام و نسب:

عبدالحارث یا عبدالرحمن پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السنی بن الدیان الحارثیؓ۔ آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنہ ادا ہوا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلیغ خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

يا اهل نجران من امرکم بالثبات علی هذا الدين لقد نصحکم ومن امرکم ان تزيغوا فقد غشکم الی ان قال وانما کان نبی اللہ عاریة بین اظہر کم فاتی علیہ اجلہ وبقی الکتاب الذی جاء به فامرہ ونہیہ نہی الی یوم القیامہ.

طبری۔ ع۔ تجرید میں آپ کا نام عبدالرحمن درج ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصحاب میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمن رکھ دیا ہو۔ اصحاب جلد ۴ ص ۳۸۸۔

”اے اہل نجران جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لیے کہا وہ تمہارا خیر خواہ ہے اور جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بد خواہ اور تم کو دھوکا دے رہا ہے یہ اللہ کے نبی محمد ﷺ تمہوڑے سے زمانے کے لیے تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہو چکی ہے مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے وہ اب بھی باقی ہے اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نئی نئی ہے۔ اس کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے۔“

اور پھر یہ اشعار پڑھے:

ونحن بحمد اللہ ہامۃ مذبح بنو الحرث الخیر الذین ہم مدد

ونحن علی دین النبی مزی الذی نہانا حراما منہ ولا مر ما امر

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آ گئے یا وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔



## (۴۲) حضرت عبداللہ بن سلام

نام و نسب:

جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ نام رکھا ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قیقاع سے تھے مشہور ہے کہ ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصر آپ کا شجرہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن سلام بن حارث قبیلہ خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے اس میں ایک شاخ کا نام تو اقل ہے حضرت عبداللہ اسی تو اقل کے حلیف تھے۔

اسلام:

آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں ناقد سے اترے تو عبداللہ بن سلام کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ اس کے بعد کہا کہ یہود افتراء پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجیے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا کہ خدا سے ڈرو۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بائیں ہمہ

ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے یہود کو خلاف توقع جو سخت نصیب ہوئی، اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا، اور غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا!

غزوات:

بدرواح کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لیے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ بنوفصیر کے محاصرہ کے وقت جنگی ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کیے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں عبداللہ بن سلام بھی تھے۔  
عہد فاروقی:

عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ صلح بیت المقدس کے لیے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن سلام بھی ساتھ تھے۔

عہد عثمانی:

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانہ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہ بن سلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں، فرمایا، تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر جمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبداللہ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا (حصن) آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں، چنانچہ شہد شاہد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شہیدا بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب میری ہی شان میں

اتری ہیں۔ خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول اللہ ﷺ کا دارالہجرت ہے اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔ پس ڈرو خدا سے ڈرو! اور ان (حضرت عثمانؓ) کو قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمر بستہ ہوئے تو تمہارے مسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔ لیکن سنگدلوں پر اس پر زور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی بولے کہ اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو!

عہد مرتضوی:

حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دار الخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انہوں نے آپ کو کہلایا کہ رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا وہ بے چارے نہایت نیک آدمی ہیں!

وفات:

۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کا زمانہ خلافت تھا۔

اولاد:

دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمدؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا۔

علم و فضل:

توراة اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن و حدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا جن کی طرف سے مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا، اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس آئے گا۔ پھر آپ نے ابو درداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن سلام کے متعلق فرمایا:

كان يهوديا فاسلم فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول  
انه عاشر عشر الجنة.

”یہ یہودی تھے، مسلمان ہوئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ وہ دسویں جنتی ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہؓ، رضی اللہ عنہ، باوجود یہ کہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے، جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے جس میں نمازی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عبداللہ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر خاص تو حالت نماز کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیش نظر نہیں ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔  
روایت حدیث:

آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔ آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف و محمد، زرارہ بن ادنیٰ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن معقل، عبدالرحمن بن حنظلہ، تابعین میں سے حسب ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں: خزیمہ بن الخزیم، بن عبادہ ابوسلمہ، بن عبدالرحمن، حمزہ بن یوسف، آپ کے پوتے عمرو بن محمد (پوتے) عوف بن مالک، ابو بردہ بن ابوموسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطاء بن یسار، عبید اللہ بن جیش غفاری۔

عطاء بن یسار فرماتے ہیں آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتاراً گفتاراً نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سبح لله ما فی السموت (الایۃ) تلاوت فرمائی تو حضرت عبداللہ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا!

تواضع خاکساری:

زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں بھی آپ اپنی نظیر تھے۔ لیکن اس فضل و کمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع و خاکساری تھی! حضرت عبادہ بن جثیمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے آپ کے چہرے سے خشوع و خضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ”یہ شخص جنتی ہے“۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ گھر پہنچ کر کچھ باتیں کہیں۔ جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکساری وجہ سے فرمائی ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ:

انه عاشر عشرة الجنة.

اسی طرح کی ایک اور روایت سعد بن عبادہ سے بخاری میں ہے۔

ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا حد یمشی علی الارض

انہ من اهل الجنة الا لعبد الله ابن سلامؓ

”موجودہ لوگوں میں میں نے عبد اللہ ابن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول

اللہ ﷺ سے یہ کہتے نہیں سنا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔“

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لارہے تھے لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس

سے مستغنی کیا ہے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔

اس خاکساری و تواضع کے ساتھ حق و صداقت کا جوش بھی بے اندازہ تھا۔

فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو

تحت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔



۱۔ اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں جنت کی

بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبد اللہ بن سلام ہی اس کے مستحق

ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد

بن عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا۔ سعد بن عبادہ خود انہی مبشرین جنت میں ہیں

لیکن انہوں نے خاکساری سے اپنا نام نہیں لیا۔



## (۲۳) حضرت عبدالرحمن بن زبیر

نام و نسب:

عبدالرحمن نام باختلاف روایت پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عبدالرحمن بن زبیر ابن باطیاء القرظی، یہود کے مشہور قبیلہ بنو قرظہ سے تھے۔

اسلام:

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب احادیث میں آپ کا یہ واقعہ درج ہے:

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیوی تمیمہ کو طلاق دے دی تھی جن سے عبدالرحمن بن زبیر نے شادی کر لی۔ مگر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے ان سے نباہ نہ ہو سکا۔ تمیمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علیحدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی اس وقت تک تم کو علیحدگی کا اختیار نہیں ہے اس کے کچھ روز بعد پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ مگر آپ نے پھر بھی علیحدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

ابن مندہ نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے: عبدالرحمن بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسی تھے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنو قرظہ کے مشہور و معروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ متغنی ہوں اور اس حیثیت سے اوسی بھی مشہور ہو گئے ہوں۔ (اصابہ ج ۲ ص ۳۹۸، ۱۰۳۸)

(الغابہ ج ۲ ص ۱۸۶)

## وفات:

آپ کی وفات کی اگرچہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ تمیمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے علیحدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمنؓ عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کا شان نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے:

﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

”پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کر لے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔“

### (۴۴) حضرت عداس رضی اللہ عنہ

عداس نام تھا، شبیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شبیبہ اور عقبہ نے جو آپ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس رضی اللہ عنہ کو انگوڑے کے کچھ خوشے دے کر آپ کے بھیجا۔ جب عداس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس انگوڑے لائے تو آپ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

عداس نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداس نے بتایا نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جہاں کے حضرت یونسؑ فرمایا، وہاں بھی آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونسؑ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

۱۔ اسباب ج ۲ ص ۴۶۶۔ ۲۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۰ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمایا۔ زرقانی ص ۳۵۶۔

اسلام:

عداسؓ نے نبوت کے یہ آثار و صفات دیکھ کر آپ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہا: اٹھے:

اشهد انک عبداللہ ورسولہؐ!

”میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

شیبہ اور عتبہ دور سے حضرت عداسؓ کی کیفیت دیکھ رہے تھے جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداسؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں یہ سن کر ان دونوں نے کہا وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دیں تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ ج ۳)

بدر کے میدان میں جب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان دونوں کا پیر تھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لیے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بچ کر واپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداسؓ کو ان دونوں سے ایک گوند تعلق تھا اس لیے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے۔<sup>۱</sup>

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔



۱۔ اسبابہ ج ۲ ص ۳۶۶۔ ع زرقانی نے تمام واقعات تفصیل سے لکھے ہیں اور اسبابہ میں بھی یہ واقعات مذکور ہیں۔ زرقانی ج ۱ ص ۳۵۸، اسبابہ ج ۲ ص ۳۶۶۔

## (۲۵) حضرت عدی بن حاتم

نام و نسب:

عدی نام ابو طریف کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عدی بن حاتم بن عبد اللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان، عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں بیٹے ہیں، عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے رومی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر و اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سراطاعت خم کیے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور اور حکومت گوارا نہ ہوئی۔

لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا، دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامان درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں اور ادھر وہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے!

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں۔ آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر

ہو تو ان خاتون نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ باپ مرچکے ہیں، چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے، مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا۔ چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ دوسرے دن پھر گزرے اور اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؑ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی مسجر آدی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ ملی اور تضاء کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کر دیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل و عیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا۔ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا!

یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبویؐ میں آکر آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر شانہ اقدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ کو روک لیا۔ آپ

دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ مگر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے باصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں آپ نے فرمایا میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے معجزانہ پوچھا آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا بے شک، کیا تم رکوی نہیں ہو اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدی نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراض فرمایا کہ یہ تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔

یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ ان کا کوئی پرسان حال۔ پھر پوچھا، تم حیرہ کو جانتے ہو، عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اسکی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدی نے استعجاباً پوچھا کسریٰ ابن ہرمز! فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز اور مال کی اتنی فروانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدی آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

۱۔ رکوی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔

۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۵۷ مسند میں یہ حالات جت جت ہیں۔ ہم نے انہیں جمع کر کے ایک سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔

امارت:

آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رتبہ تھا اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدی بن ہاشم قبیلہ طے کے حکمران تھے اس لیے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا۔  
عہد صدیقی:

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینا بند کر دی۔ اس موقع پر عدی بن ہاشمؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا اور عدی بن ہاشمؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربار خلافت میں پہنچاتے رہے۔  
عہد فاروقی:

۱۳ ہجری میں جب حضرت عمر بن ہاشمؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لیے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدی بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکت جہاد کے لیے پہنچے اور امیر العسکر ثمنیؓ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر ثمنیؓ پر صف آرائی ہوئی اس میں بھی عدی بن ہاشمؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے۔ اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں ثمنیؓ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدی نے داد شجاعت دی۔

سب سے آخر میں کوئی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدی اس میں بھی شریک ہوئے اور مدائن کے فاتحین میں تھے ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گئی پوری ہوئی دیکھ لی۔

۱ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۷۔ ۲ استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ ۳ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۱۔

۴ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ ۵ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ ۶ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۵۷۔

ان لڑائیوں کے علاوہ تسمت اور نہادند کے معرکوں میں بھی شریک تھے۔ شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں۔

عہد مرتضوی:

حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے عدی بن ابی اسدؓ کو اختلاف تھا اس لیے ان کے زمانے میں بالکل خاموش رہے، ان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدیؓ نے حضرت علیؓ کی نہایت پر جوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگ جمل میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدی بن ابی اسدؓ کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت جان بازی سے لڑے۔ جس میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی۔

جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ حضرت علیؓ کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضاعہ کی کمان حضرت عدیؓ کے ہاتھوں میں تھی۔ صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستے لے کر میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالدؓ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب سے میدان میں اترے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے جناب عدیؓ ان کے مقابلے کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے۔

ایک دن جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں، حضرت علیؓ علیحدہ ایک دستے کو لیے صف آرا تھے۔ عدی بن ابی اسدؓ کو حضرت علیؓ کی نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح و سالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔

۱ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۳۱۔ ۲ اخبار الطوال ص ۱۵۵۔

۳ ایضاً۔ ۴ ایضاً ص ۱۸۳۔ ۵ ایضاً ص ۱۹۸۔



اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادی سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں۔

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جان نثارانہ شریک رہے۔

**وفات:**

مقتدر ثقفی کے خروج تک عدیؓ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے۔ مگر اس تیس سالہ زندگی کے واقعات پردہ خفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے اور آپ کے بعد انہوں نے گوش نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۷ھ میں وفات پائی۔

**فضل وکمال:**

عدیؓ کو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے تاہم چونکہ وہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً حضرت علیؓ سے ان کے تعلقات بہت زیادہ تھے اس لیے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چھ متفق علیہ ہیں اور تین میں امام بخاریؒ اور دو میں امام مسلم منفرد ہیں۔

ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریش، عبداللہ بن معقل، حاتم بن طرفہ، حنظلہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الطعسی، عبداللہ بن عمرو ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمن، عبادہ بن جمہش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کے کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

۱ اخبار القوال ص ۱۹۸۔ ۲ استیعاب ص ۵۱۷ ج ۲۔ ۳ اخبار القوال ص ۱۹۸۔

۴ تہذیب الکمال ص ۲۶۳۔ ۵ تہذیب الحدیث ج ۷ ص ۱۶۷۔

کان سیداً شریفاً فی قومہ خطیباً حاضر الجواب فاضلاً کریماً۔  
 ”وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے۔“

مذہبی زندگی:

یوں تو عدی رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی، لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ خاص شغف تھا۔ نماز کے لیے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے نماز کے وقت کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ روزہ کے شرائط کی اس سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت:

﴿حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾

”یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے۔“

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقال تکیہ کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کے اختتام کا اندازہ لگاتے تھے۔ لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسو و ایض سے مراد رات دن ہیں۔  
 فیاضی:

سخاوت و فیاضی وراثت ملی تھی۔ ان کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگیں مانگ بھیجیں۔ حضرت عدیؓ نے انہیں بھرا کر بھیجا۔ اشعث نے کہا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگ بھیجیں تھیں۔ جواب میں کہا بھیجا کہ میں عاریہ بھی خالی دیگ نہیں دیتا۔<sup>۱</sup> ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عروہ نے آکر کہا میں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا رک جاؤ میں ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو

۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ ۲۔ اصابہ جلد ۳ ص ۲۲۸۔ ۳۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔

۴۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت الصوم۔ ۵۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔

تمہیں بتلا دوں اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم، ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا! جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا!

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چونیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لیے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں۔<sup>۱</sup>  
بارگاہ نبوی ﷺ میں عزت:

عدی اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے۔<sup>۲</sup> خلفاء کے یہاں بھی یہی وقعت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا آپ نے مجھے پہچانا، فرمایا، پہچانتا کیوں نہیں تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کفر میں مبتلا تھے تم اس نے وقت حق کو جانا جب لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی جب لوگ دھوکا دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے چہروں کو بشارت کیا وہ تمہارے قبیلہ طے کا تھا۔<sup>۳</sup>



۱۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۱۶۔ ۲۔ مسلم ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ مصر۔ ۳۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۹۳۔

۴۔ استیعاب ج ۲ ص ۵۱۷۔ ۵۔ اصحاب ج ۳ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔

## (۴۶) حضرت عطیہ القرظیؓ

نام و نسب:

عطیہ نام باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی قبیلہ بنو قرظہ کے یہودی تھے۔

اسلام:

بنو قرظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان

ہو گئے ان میں حضرت عطیہ بنی سنیاء بھی تھے۔

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

علم و فضل:

کتب احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبد الملک بن عمیر وغیرہ کے

واسطے سے مروی ہے۔



## (۴۷) حضرت علیؓ بن رفاعؓ

نام و نسب:

علی نام حضرت رفاعؓ رضی اللہ عنہ صحابی کے صاحبزادے اور نبیؐ کی بیوی تھی یا اسلام اور شرف صحبت:

غالباً اپنے والد رفاعؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے۔ عمرو کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخبرہؓ کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاعؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

هو كرو الارض بالثلث او الربع.

”مخبرہ نام ہے زمین کے تہائی یا چوتھائی پیداوار پر اٹھانے کا۔“

علم و فضل:

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۔ ۲۔ مزارعہ اور مخبرہ میں فرق ہے مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخبرہ میں مال کا۔ دوسرا فرق مجمع بحار الانوار نے بیان کیا ہے۔ مزارعہ اکثر اکثر العائل ہے بعض ما یخرجن والمخبرہ اکثر العائل الارض بعض ما یخرجن جلد الفظ ”خبر“ یہ لفظ خبار یا خبر سے مشتق ہے۔

## (۲۸) حضرت عمرو بن سعدی

نام و نسب:

عمرو نام باپ کا نام سعدی قبیلہ قرظہ سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام:

بنو قرظہ جس روز جلاوطن کیے گئے آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے، مگر تم نے خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحدہ ہوں۔<sup>۱</sup>

الہدایہ والتہایہ میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

یا قوم را یتم ما را یتم فاتبعونی وتعالوا یتبع محمداً واللہ انکم تعلمون  
انہ نسی قد بشرنا بہ وبامرہ ابن الہیمان وعمر۔ ابن الحراش ہو اعلم یہود۔<sup>۲</sup>  
”اے قوم جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں خدا کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ ابن الہیمان اور ابن الحراش جو ہم میں سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے۔“

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
ذالک رجل نجاه اللہ بصدقہ۔

”اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی۔“

## (۲۹) حضرت عمیرؓ بن امیہ

عمیر نام باپ کا نام امیہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت دست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ بن امیہ کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے لڑکوں کی خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کی بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیرؓ بن امیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انہوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا لیکن آپ نے انہیں عمیرؓ بن امیہ کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بھجا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے واللہ اعلم۔



(ک)

## (۵۰) حضرت کثیر بن السائب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

کثیر نام باپ کا نام سائب تھا جو خاندان قرظہ سے تھے۔ غزوہ بنو قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے ان میں حضرت کثیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔ لیکن ابویعمیر اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تخریج کی ہے۔ زندگی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



بعض لوگوں نے ان کو زمرہ تابعین میں شمار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اسباب میں ابویعمیر ابن شایبہ اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔  
ح اصابت ذکر کثیر بن السائب۔



## (۵۱) حضرت کرز بن علقمہ

نام و نسب:

کرز یا کوزہ نام باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسبی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے اس لیے نجرانی مشہور ہیں۔

اسلام:

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ نفس الابد (دور پتے والے) (محمد ﷺ) کا برا ہو۔ ابو حارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ تمہارا برا ہو کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں بھائی نے جواب دیا کہ:

قد والله النبی الذی کنا ننتظره.

”خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے ہیں۔“

پھر کرز نے کہا کہ تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا یہ مال و دولت اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھین جائے گی۔ ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرز کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا۔ اس وقت تو خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔  
متاخر الاسلام تھے اس لیے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردہ اخفا میں ہیں۔

۱۔ نام میں تھوڑا اختلاف ہے بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

## (۵۲) حضرت کعب بن سلیم

نام و نسب:

کعب نامِ باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے اس لیے کعب قرظی اور اوس دونوں مشہور ہیں۔

اسلام:

بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھے کو چھوڑ دیئے گئے تھے ان میں حضرت کعبؓ بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

دینی و مذہبی فضل و کمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمدؐ بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔<sup>۱</sup>

(م)

## (۵۳) حضرت محرب رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

محرِب نامِ الرِّبَابِ اَشْجِیْ مشہور عیسائی کا ہن کے لڑکے تھے۔

صاحبِ اصحابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔<sup>۲</sup>

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عمان کے والی ابنِ الجندب کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا۔<sup>۳</sup>

آپ کے ایک صاحبزادے ثنی بڑے صاحبِ فضل و کمال ہوئے ہیں۔<sup>۴</sup>

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۲۶۶۔ ج ۲ ص ۳۶۷۔ ج ۳ ص ۳۶۷۔ ج ۴ ص ۳۶۷۔ ج ۵ ص ۳۶۷۔

## (۵۴) حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام

نام و نسب:

محمد نام حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔

اسلام:

آپ کے اسلام لانے کوئی تصریح نہیں ملتی۔ غالباً حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ آپ کو شرفِ صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔

کتب رجال میں ہے کہ:

لہ روایۃ وروایۃ محفوظۃ!

”ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔“

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے

وہ یہ ہے:

عن محمد بن عبد اللہ بن سلام لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم علینا یعنی قبائلاً قال ان اللہ عزوجل قد انشی علیکم فی الطہور.

وفات اور زندگی کے حالات کتب رجال میں مذکور نہیں ہیں۔



## (۵۵) حضرت مخزق رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مخزق نام قبیلہ نصیر<sup>۱</sup> سے نبی تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔

اسلام:

اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال و سیر میں صرف اتنا مذکور ہے:

کان خیراً عالماً فامن بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم<sup>۲</sup>

”نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔“

غزوہ احد میں شرکت اور شہادت:

غزوہ احد پیش آیا تو حضرت مخزق رضی اللہ عنہ: یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (ﷺ) کی ہر طرح مدد کرنی چاہیے، جب کہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا کہ آج یوم سبت (سینچر) ہے۔ ہم کیسے تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سر بکف خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر پامردی سے لڑے اور شہادت پائی۔<sup>۳</sup>

فضل و کمال:

آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

مخزق سائق یہود۔<sup>۴</sup>

”مخزق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں۔“

۱ تجرید جلد ۲ ص ۷۰۔ اصابہ میں ہے کہ انہ کسان بسایا من بسی قینقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان ان کے نصری ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ”مخزق النصری“ کی سرفی قائم کی ہے۔

۲ تجرید ج ۲ ص ۷۰۔ ۳ اصابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔ ۴ اصابہ ج ۳ ص ۳۹۳۔

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے۔ جب غزوہ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائیداد باغ اور مال و اسباب آنحضرت ﷺ کو وصیت کر گئے۔ آپ نے جو باغات آنحضرت ﷺ کو دیئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

المیث، الضائف، الدلال، حسن، جرد، الاعواف، مشربہ ام ابراہیم یا



## (۵۶) حضرت میمونؓ

نام و نسب:

میمون نام باپ کا نام یا مین یہود کے مشہور قبیلہ قرظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا۔  
اسلام:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی و سعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کر لیں جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوا بھیجا اور میمون سے کہا کہ تم مکان کے اندر چلے جاؤ یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کر لو جس کی تصدیق و عدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم میمون یا مین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر لی تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے نکلے اور فرمایا:

اشهد ان محمداً رسول اللہ.

”آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔“

لیکن یہود نے قبول حق کی بجائے حضرت میمونؓ پر طعن و تشنیع شروع کر دی

اور وہ واپس چلے گئے۔

۱ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۲۷۔

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ أَزَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ﴾<sup>۱</sup> وَهَدَىٰ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿

”آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے۔“

زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہیں۔

## (۵۷) حضرت مایور رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

مایور نام اور خاصی عرف تھا، حضرت ماریہؓ کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقس شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھمہ بھیجا تھا۔  
اسلام:

حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مایور نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ حضرت ماریہؓ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کرتے تھے۔

<sup>۱</sup> لیکن یہ واقعہ ارباب رجال حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شان نزول ان ہی کو بتاتے ہیں مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشاء نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبول اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ اصابہ ۲/۱۳۷۱، اسد الغابہ ۲/۲۲۷۔

۲ اصابہ ج ۳ ص ۳۳۳۔ ج ایضاً ج ۴ ذکر ماریہ۔ ج ایضاً۔

(ن)

## (۵۸) حضرت نافع رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

نافع نام حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔

اسلام:

غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں حاضری:

جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے اور

زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح و حالات نہیں مل سکے، لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ

میں ہے جن کے بارے میں سورۃ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں۔

﴿وَلَسَجَدْنَا لَهُمُ الرُّكُوعَ كُلَّ حِينٍ لِّئَلَّا يَقُولُوا لِمَ كَرِهَتْ لَنَا آيَاتُهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ عَلَّمُوا الْقُرْآنَ لِئَلَّا نَكُونَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ (مائدہ)

”دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے

ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت

سے تارک دنیا و درویش ہیں۔ اور اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ منکبر ہیں۔“

۱۔ آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں

آپ کے فضائل اور حالات بھی آچکے ہیں۔



(ی)

## (۵۹) حضرت یامین بن عمیر

نام و نسب:

یامین نام باپ کے نام میں تموز اسما اختاف ہے اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن حجاج بن یوسف سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام:

یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، کیا دیوں اور منافقوں کے باوجود آنحضرت ﷺ غنودہ درگزر سے کام لیتے تھے مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ان کی کپے بعد دیگرے سرزنش شروع کر دی گئی۔ نئی قیقاع کے بعد جب یوسف نے بد عہدی کی اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھگتے جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔ انہوں نے جب دیکھ لیا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدہ و دانستہ بھاگ رہے۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۔ ح ایضاً استیعاب ج ۲ ص ۶۳۶ حافظ ابن حجر نے یامین بن یامین اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ ح ابن السہیان نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ منقریب ایک نبی مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے جس میں ایک حلا وطنی ہے۔

ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین رضی اللہ عنہ بھی تھے! نبی ﷺ کے دشمن سے بدلہ:

عمر بن جاش یامین رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہو سکا یامین رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامین رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو۔ وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ یامین رضی اللہ عنہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا۔

غزوہ تبوک میں مدد:

غزوہ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سوار یوں کی درخواست کی، مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں اس لیے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ پشم پر نم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج و ملال کا نقشہ کھینچا ہے۔

﴿ إِذَا مَا اتَّوَكَّ تَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَاغْمِزْهُمْ نَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴾ (توبہ)

”جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ ناکام اس حالت میں واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔“

ان ہی میں حضرت ابولیلی اور حضرت عبداللہ بن مغفل بھی تھے جنہیں لڑائی میں شریک نہ ہو سکنے کا بے حد افسوس تھا۔ یہ رہ رہے تھے کہ یامین رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے

رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت یامین نے فوراً دوساریاں اور کچھ سامان سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے۔  
وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں ارباب میر  
خاموش ہیں۔

### فضائل:

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وهومن كبار الصحابة. "آپ کا شمار کبار صحابہ میں تھا"

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

"اے اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔"

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامین جو مجتہد بھی تھے۔



۱۔ بالکل سببی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دوسرے تمام ارباب رجال و سیر نے اس واقعہ کو حضرت یامین جو مجتہد کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت یامین جو مجتہد کے نام اور ان کے باپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس لیے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ چنانچہ تجربہ نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلہ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامین جو مجتہد کے بیٹے تھے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کر دیا ہو۔ ح استیعاب جلد ۲ ص ۶۳۶۔ حافظ ابن حجر نے اس آیت کا منشاء نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے مگر جیسا کہ اوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

## (۶۰) حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام

نام و نسب:

یوسف نام، ابو یعقوب کنیت، حضرت عبد اللہ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔

جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

تعلیم و تربیت:

آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم و تربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دعاء برکت کے لیے لاتے یہ پیدا ہوئے تو ان کو بھی بارگاہ نبوت میں لایا گیا۔ آپ نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسف بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ:

اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علی

راسی وسمانی یوسف.

”رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا

اور میرا نام یوسف رکھا۔“

شرف صحبت:

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے

ایک ٹکڑے کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔

۱۔ مستدرج ۳ ص ۳۵۔ ۲۔ بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی

تردید ہو جاتی ہے۔ اصحابہ ج ۳ ص ۶۷۱۔

وفات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔  
آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔

علم و فضل:

ترمذی، ابوداؤد و مسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں، بعض لوگوں نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے اپنی کوئی تحریر یا دیگر نہیں چھوڑی ہے۔



## (۶۱) حضرت ابوسعیدؓ بن وہب

نام و نسب:

ابوسعید نام یا کنیت؛ باپ کا نام وہب۔ تھے تو قبیلہ بنو نضیر سے مگر غلطی سے بنو قریظہ کی طرف منسوب ہو کر قرظی مشہور ہیں۔

اسلام:

بنو نضیر کی جلاوطنی کے روز یا مینہ کے ساتھ انہوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اسلام سے جوڑ لیا۔  
مسلمانوں کی آپ کے مال و جائیداد سے دست برداری:

بنو نضیر کے متروکہ مال و جائیداد پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا، مگر حضرت یا مینہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لائے تھے اس لیے کسی نے ان کے مال و جائیداد کو ہاتھ نہیں لگایا۔  
وفات:

سنہ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

علم و فضل:

آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں۔<sup>۵</sup>

۱۔ حافظ ابن عبد البر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔ ح بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوہ قریظہ کے روز اسلام لائے مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے۔ اسباب ج ۳ ص ۸۷۔  
۲۔ اسباب ج ۳ ص ۸۷۔ ح اسباب ج ۳ ص ۸۷۔ ح اسباب ج ۳ ص ۸۷۔ ح اسباب ج ۳ ص ۸۷۔

## (۶۲) حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ

نام و نسب:

عبداللہ نام ابو مالک کنیت، اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قرظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اسی وجہ سے بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں۔

وفات:

وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی جو صفات توراہ میں مذکور ہیں ان کے متعلق دریافت کیا گیا

تو فرمایا:

صفته فی کتاب نبی ہارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسماعیل یاتی بدین الحنیفیہ دین ابراہیم یازر علی وسطہ ویغسل اطرافہ وهو اخر الانبیاء۔

”آنحضرت ﷺ کی صفت حضرت ہارون علیہ السلام کی کتاب میں موجود ہے جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے لے کر آئیں گے، تمہ بندناف سے اوپر باندھتے ہوں گے، اپنے اعضا کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے۔“

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

## (۶۳) آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم

نام و نسب تو نہیں معلوم ہو سکا، لیکن حاکم نے متدرک میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم بھی تھے جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپؐ نے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کا باپ وہاں موجود تھا اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی امی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو ایک یہودی خادم رسول کا شرف باسلام اور صحابی ہونا، اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی پیروی کی اور آپؐ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپؐ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپؐ کے ساتھ گزار دی۔ مگر آپؐ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا۔ حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلاوہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا۔ لا اکرہ فی الدین کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے!

۱۔ اس روایت کو ذہبی نے تخفیف میں دوسری سند سے ذکر کیا ہے اور حاکم کی روایت پر کوئی حرج نہیں ہے۔



## تابعین

## (۱) ادیم تغلیٰ رضی اللہ عنہ

ادیمؓ یا ہریمؓ نام۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں سے نسبی تعلق تھا۔ زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

۱۔ نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کی بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ صاحب بذل اللہود نے عین المعبود کے مؤلف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک نہیں دو ہیں۔ ہریم تابعی ہیں اور ہذیم صحابی۔ لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ارباب رجال نے ان کو ایک شمار کیا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں۔ صاحب اصحاب نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ رہا ہریم تو ہریم ابن عبداللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے۔ لیکن ان سے بھی ابن سعد کی یہ روایت ثابت نہیں ہے اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صحیحی کی روایت بھی ثابت ہو کتب رجال میں نہیں ملتا۔

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے لیکن اس میں ادیمؓ یا ہریمؓ کے واسطے سے روایت نہیں ہے ابوداؤد میں ہریم کا نام آیا ہے۔ لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے۔ اس لیے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک شمار کیا ہے۔

۲۔ ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں جن کے پیش نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے۔ ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان سب سے کاتب انصاری (بنو تغلب) انصاری تھے) اور اس لیے ان کا تغلیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صحیحی ابن معین نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ ادیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صحیحی بن معین کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلیٰ تھے۔

یہ صحابی ہیں یا تابعی اس کے بارے میں ارباب رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مخضرن میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابوداؤد کی وہ روایت ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معید نے ان سے حج قرآن کے متعلق دریافت کیا تھا تو انہوں نے صبی کو اس کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں یہی ایک روایت ان سے مروی ہے لیکن ابوموسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحب اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابوموسیٰ کا یہ قول نقل کر کے کہ ان کی روایت کا سلسلہ سند آخضر ت ﷺ تک نہیں پہنچتا ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔

بہر حال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بناء پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔



## (۲) ارمی بن النجاشی رضی اللہ عنہ

ارمی ارمی یا اریحان نام نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔  
خدمت نبوی ﷺ میں آمد سے پہلے وفات:

آنحضرت ﷺ نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساتھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمت نبوی میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں جب کہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا اس کی ہلاکت خیز موجوں کی نذر ہو گیا اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اسٹھ آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔

ع خدارحمت کندا میں عاشقان پاک طینت را

بقیہ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔

## (۳) اصغ بن عمرو

نام و نسب:

اصغ نام باپ کا نام عمرو تھا، سلسلہ نسب یہ ہے اصغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خیاب، قضاء کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے، یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا، اصغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام:

رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا، حضرت عبدالرحمن نے وہاں پہنچ کر اہل دومۃ کو اسلام کا پیغام سنایا، پہلے روز ان پر

کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی، تیسرے روز پھر حسب دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو اصغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا اور انہوں نے نصرانیت کا قلابہ گردن سے اتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اصغ کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا نکاح:

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آنحضرت ﷺ کو اصغ کے اسلام کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپ نے ان کو تعلقات کی استواری کھ خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے تعمیل ارشاد میں اصغ کی صاحبزادی تماضر سے نکاح کر لیا۔ مزید تفصیل تماضر کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے، اس لیے کہ قریش اپنی شرافت نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنیٰ اور فروتر سمجھتے تھے، لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا، یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی۔

اصغ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے، اسی لیے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے، اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



## (۴) اصمہ نجاشیؓ شاہ حبشہ

نام و نسب:

اصمہ نام باپ کا نام ابجر۔ نجاشی شاعی لقب، حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں! مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ:

قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا، چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی۔ حبشہ میں اس وقت یہی اصمہ النجاشی بادشاہ تھے، نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ قریش کو اس احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا بیچ و تاب کھایا۔ آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد جائے اور یہ عرضداشت پیش کرے کہ ہمارے بھروسے (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے۔ اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے تحائف پیش کیے اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کیا، پھر شاہ نجاشی اصمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا۔

نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی، انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا، نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا، انہوں نے یک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی، لیکن شاہ نجاشی نے کہا، میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا، اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا۔ ورنہ جو جو میری پناہ میں آ گیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جاسکتا مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصمہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کون سا دین اختیار کیا ہے، جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی، اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے،

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی اور برس دربار ایک بہت ہی موثر اور دلنشین تقریر کی جس میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں بیان کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی انہوں نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مسلمان زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پڑے دیکھنے ہم بھی گئے پر تماشا نہ ہوا  
جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انہوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرضداشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ ﷺ کے متعلق دریافت فرمایا جائے۔ مسلمان پھر بلائے گئے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے۔

آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہوا نہیں سچ ہی بولنا چاہیے اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے انہوں نے فرمایا ہمارے نبیؐ نے ہمیں بتایا کہ ”حضرت عیسیٰ ﷺ خدا کے بندے اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں“۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا ”خدا کی قسم! حضرت عیسیٰ ﷺ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں“۔ دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا قریش نے جو تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے نجاشی نے سب واپس کر دیئے اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا۔

اسلام:

یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ:

قال النجاشی اشهد انه رسول الله وانه الذي بشر به عيسى ابن مريم.

”نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔

### خدمت نبوی ﷺ کی تڑپ:

جب رسول اللہ ﷺ نے تمام ملوک و سلاطین کو دعوت اسلام بھیجی تو شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پر تپاک خیر مقدم کیا، آپ کی رسالت کا اقرار کیا اور اپنے لڑکے ارعی کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری کا بوجھ میرے اوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا۔

### وفات:

مسلمانوں کے اس غم خوار اور محسن نے ۹ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا، آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے اسی روز ان کی موت کی اطلاع مل گئی اور آپ نے بڑے رنج و غم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا، فرمایا مسلمانو! تمہارے برادر صالح احمد نے انتقال کیا۔ ان کے لیے دعا استغفار کرو، پھر صحابہؓ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

۱۔ ابوداؤد۔ ۲۔ بخاری اور تمام مکتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی تھی، اسی طرح غزوہ موتہ میں بھی آپ کو پندرہ سالار اسلام کی شہادت اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس فتح کی خبر بھی کسی مادی ذریعہ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہوئی۔ ۳۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں اور اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی لیکن حافظ ابن قیم نے اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔

تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات:

﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ إِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ﴾

”بعض اہل کتاب ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی طرف اللہ سے ڈرتے ہوئے جب وہ سنتے ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔“

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لیے گئے ہیں۔

### اخلاق:

شاہانہ اوصاف، عدل و انصاف، رحم و کرم اور رعایا پروری کے علاوہ عام انسانی اخلاق و اوصاف سے بھی متصف تھے۔ اپنے ملک میں مظلوم و ستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا، اس احسان سے امت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

## (۵) بکاء الراہب

### نام و نسب:

بکا، نام، شام، اصلی وطن تھا، ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

سعد بن العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید



رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے۔ وہاں بکاء الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے بکاء نے نام دریافت کیا کہا محمد (ﷺ) پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں جواب دیا کہ میں برس سے اس کے بعد بکاء نے کہا کہ کہو تو میں ان کی صفات بیان کروں ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی۔ اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا۔ میرا اسلام ان کو پہنچا دیتا۔ یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور بکاء سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا اس کے بعد ابان نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

## (۶) تمام بن یہودا

صاحب اصحابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول (صحابہ) میں داخل کیا ہے۔ جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی اور خود انہوں نے بھی یعنی صاحب اصحابہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس بناء پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔



## (۷) صبی بن معبد

نام و نسب:

صبی نام باپ کا نام معبد تھا، نسباً تغلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام:

نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا، اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا۔ حدیث کی تمام کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے وہ یہ ہے:

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا، اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا، لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادا ہو گئی بھی فرض تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کر لوں (پھر جہاد میں شرکت کروں گا) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ ہذیم بن عبداللہ نامی کے پاس گیا، اور ان سے مسئلہ قرآن کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے مجھ کو اس کی اجازت دی، حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان سے ملاقات ہوئی، ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمہارے اونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے) میں وہاں سے سیدھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تم نے سنت نبویؐ کے مطابق حج کیا ہے۔<sup>۱</sup>

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھا جاسیے۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت:

حسب ذیل حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو وائل، مسروق، ابواسحاق السبئی، زر بن حبیش، امام شعبی، ابراہیم الخلیفی، مجاہد ابن حبان

۱۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حج و عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ حج یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ حج اسد الغابہ۔

نے ان کو ثقافت میں شمار کیا ہے، 'حسب بن حاتم بھی فرماتے ہیں:  
تابعی ثقہ۔ "ثقہ تابعی تھے"

## (۸) ضغاطر الاسقف الشہید

نام و نسب:

ضغاطر نام روم اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے، ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام:

ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت ﷺ نے دجیہ الکھی کے ذریعہ نامہ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا محمد (ﷺ) یقیناً نبی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر اس نے حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں، حضرت دجیہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا لعرفہ باسمہ ووصفہ (ہم ان کے نام اور صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر لئے اپنا مخصوص لباس اتار اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا، یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر نزعہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

ع خدا رحمت کند ایس عاشقان پاک طینت را

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا کچھ بھی ہو، میں تو اتباع حق سے نہیں بھاگ سکتا۔

## (۹) عمیرؓ بن حسین

نام و نسب:

عمیر نام، نجران اصلی وطن تھا، مذہباً عیسائی تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔  
اسلام پر استقامت:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھلائی۔ خود اسلام پر آخری وقت تک جھے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انہوں نے ان کے سامنے یہ پراثر تقریر فرمائی کہ:

”اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جھنے کی ضرورت تھی اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو، یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہیے تھا کہ اسلام پر جھے رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ہدایت کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:“

يا اهل نجران امسكوا بهدي الله كونوا ابدأ على الكفار  
لا تكونوا بعد اليقين اللى الشك وبعد الرضا اللى الكفار  
واستقيموا على الطريقة فيه وكونوا كهيفة الانصار

۱۔ اصحابہ جلد ۲۔

۲۔ یہاں غالباً انصار سے حواری مراد آیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔

## (۱۰) کعب احبارؓ

نام و نسب:

کعب نام ابو اسحاق کنیت 'نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی روعین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ کعب بن مافع بن ہنوع بن قیس بن معن بن جسم ابن وائل بن عوف بن جہر بن عوف بن زہیر بن ابن حمیر بن سہام حمیری۔  
اسلام اور ورود مدینہ:

کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے یہود کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ عہد رسالت میں موجود تھے لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کر سکے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں مشرب باسلام ہو گئے تھے، کعب کا بیان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے تو انہوں نے بتائے تو میں مسکرایا علیؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزماں کی) جو علامات بتائی گئی ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتی ہیں، اسی لیے مجھے ہنسی آگئی۔ اس سوال و جواب کے بعد میں مسلمان ہو گیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے۔  
لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو

۱۔ اسباب ج ۵ ص ۳۲۲ کعب کے حالات 'تابعین' سے نقل کیے گئے ہیں۔ آخر میں اور کہیں کہیں درمیان

میں کچھ اضافہ و ترمیم ہے۔ ع ایضاً۔

طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے: جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے کعب کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے؟ جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراہ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام تہذیبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا، تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (ﷺ) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا۔ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے بچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

### فضل وکمال:

کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں ہیں، یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا طرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب اخبار اور کعب الحمر کہے جاتے تھے۔ ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال و حکم بہت مشہور ہیں۔ اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف تھے ابودرداء انصاری کا تمس میں بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے تھے کہ ابن تمیر یہ

کے پاس بڑا علم ہے! امیر معاویہ جھوٹا کہتے تھے کہ ابو درداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں ان کے پاس سمندر جیسا اتھاہ علم تھا!

چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے اس لیے اسلامی حکومت کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت ہو گئی تھی۔ مدینہ میں صحابہ سے انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے۔

کتاب و سنت میں انہوں نے حضرت عمرؓ، صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابو ہریرہؓ، معاویہؓ، ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامرؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، عبداللہ بن رباح انصاریؓ، عبداللہ بن حزمہ سلویؓ، ابورافعؓ، صالحؓ، عبدالرحمن بن شعیبؓ اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی۔  
علم اور علماء اور زوال علم:

ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام نے ان سے پوچھا کہ کعب! علماء کون لوگ ہیں جو اب دیا جو علم جانتے ہیں۔ ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی؟ فرمایا طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا۔ عبداللہ ابن سلام نے کہا تم نے سچ کہا۔  
شام کا سفر:

کعب کا آبائی مذہب یہودیت تھا۔ اس لیے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا، مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعب شام چلے گئے اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔  
مواعظ:

شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے۔ ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

۱۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۶۔ ۲۔ اساجن ص ۳۳۳۔ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵۔

۴۔ تہذیب الجندی ج ۵ ص ۳۲۸۔ ۵۔ اساجن ص ۲۲۳۔ ۶۔ ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۶۔

سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں، یہ سن کر کعب نے وعظ گوئی چھوٹ دی، لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا!

### اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول:

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں۔ وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے۔ لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایہ معلومات بھی تمام تر یہی تھا۔ اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سرو پا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں، اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعب کو روایات میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

### وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۳۲ ہجری میں شام میں وفات پائی۔





## (۱۱) محمد بن کعب القرظی

نام و نسب:

محمد نام ابو حمزہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی، ان کے والد کعب بنی قرظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ غزوہ قرظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کمسن تھے اس لیے چھوڑ دیئے گئے۔

فضل و کمال:

محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے۔

قرآن:

ان کو قرآن و حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا، عجلی ان کو مہذب راجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں،<sup>۱</sup> عون بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا، حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں۔<sup>۲</sup>

قرآن میں تدبر و تفکر:

قرآن کے معنی میں تدبر و تفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی۔ ایک مرتبہ رات میں سورہ زلزال اور سورہ القارعہ پڑھنا شروع کیں، اور پوری رات ان سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سفید صبح نمودار ہو گیا۔

<sup>۱</sup> تہذیب الجندیب ج ۹ ص ۳۲۱۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۹۰۔ ۳ تہذیب الجندیب ج

۹ ص ۳۲۱۔ ۴ تہذیب الجندیب ج ۹ ص ۳۲۱۔ ۵ ایضاً۔ ۶ ایضاً۔

فرماتے تھے، قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر ورود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے، پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی! تفسیر کی کتابوں میں صد ہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے۔ ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث:

حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں! حدیث میں انہوں نے معاویہ، کعب بن عجرہ، ابو ہریرہ، زید بن ارقم، عبد اللہ ابن، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن یزید، خطمی، عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، براء بن عازب، جابر اور انس بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔ ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر حطمی، یزید بن بہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموائی، ابن المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

فقہ:

فقہ میں مدینہ کے مشہور فقہاء میں شمار تھا۔

کان من افاضیل اهل المدینة علماً وفقہاً۔

”علم وفقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلاء میں تھے۔“

زہد و ورع:

زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے، ابن سعد ان کو علماء متورعین<sup>۱</sup> میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبی<sup>۲</sup> زہد، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے

۱۔ دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۵۶۔ ۲۔ تہذیب الجندیب ج ۹ ص ۴۲۱۔

۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً۔ ۵۔ ایضاً۔ ۶۔ ایضاً۔

تصف تھے!

## ان کی پاک بازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی:

زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاکباز اور پاک نفس رہے، بایں ہمہ دعائے مغفرت و توبہ استغفار میں ہر وقت مشغول رہتے تھے یہ دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں محمد! اگر تمہاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمہاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ و استغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمہیں بچپن میں بھی بہت پاکباز اور پاک نفس پایا اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پارہی ہوں۔

محمد بن کعب نے فرمایا، اماں جان! آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے، لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا، ہو سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہو گئی ہو جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو، اسی وجہ سے میں ہر وقت استغفار کیا کرتا ہوں۔

زریں اقوال:

فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتا ہے۔ دین میں سمجھ دنیا سے بے رغبتی اور عیب پوشی۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں، ان کے واسطے زمین روتی اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اوپر زمین روتی ہے اور بدعا کرتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ﴾

”زمین و آسمان ان پر نہیں روئے۔“

رونے سے مراد ہمدردی و شہادت ہے۔ اس لیے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا لیا کہ خذلان اور حرمان کی علامات کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے کو

برا اور برے کو اچھا سمجھنا۔

ذکر الہی:

فرماتے تھے کہ اگر ترک ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت  
ذکر یا علیؓ کو رخصت ملتی (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا،  
مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الہی کثرت سے کیا کرو) پھر یہ آیت تلاوت کی:  
﴿إِنَّكَ أَلَّا تَكَلَّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَادُّكُرًا كَثِيرًا﴾  
”تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک کسی شخص سے بجز اشارے کے بات  
نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو“۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت مل سکتی تھی لیکن ان  
کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمْ فِتْنَةً فَابْتُؤُوا وَادُّكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا﴾  
”اے ایمان والو! جب تم سے دشمن کی کسی جماعت سے ٹڈبھیڑ ہو جائے  
تو ثابت قدم رہو اور ذکر الہی زیادہ کرو“۔

وفات:

۱۰۸ھ میں وفات پائی۔



## (۱۲) نعیم الحمر

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حمر (عالم) ان کے نام کا حمر ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزراوقات کرتے تھے۔<sup>۱</sup>

مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تتر فح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا، جس میں ایک کتاب تھی، ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو! ابوموسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا چاہتے تھے، لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیہ دے دی، ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے۔ اس کو دفن کر دینا چاہیے، بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے۔ انہوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی۔<sup>۲</sup>

قبول اسلام:

مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا، وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نصرانیت کا کیا حال ہے؟ نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی دعوت اسلام اور علمائے اہل کتاب کا قبول اسلام:

مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے۔ جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ کعب احبار کو جو کتاب تتر میں

۱۔ اصباہ ذکر نعیم۔ ۲۔ ایضاً۔

ملی تھی انہوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ قدیم کتاب ہے جو تمہاری زبان (غالباٰ عبرانی) میں ہے اس کو پڑھو ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر ٹپک دی۔ نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انہوں نے اپنی گود میں اٹھالیا۔ اور ان سے کہا کہ اب میں ہرگز اس کتاب کو تمہیں نہیں دوں گا لیکن انہوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا اچھا میں اسے اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھتا ہوں تم میں سے کوئی شخص پڑھے چنانچہ جب کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت:

﴿وَمَنْ يَنْتَعِمْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾

”جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



۱۔ اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی نعیم نے دوسرے سے اس لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کوشہ ہوتا۔

## (۱۳) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سادہ و خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کی معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے، لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا۔ لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں وہب بن منبہ بھی تھے، زمرۃ اہل کتاب ”تابعین“ میں داخل کر لیا گیا۔

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گزری، لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے۔ نیز سیف بن ذی یزن یعنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات بھی لکھے جاتے ہیں:

نام و نسب:

وہب نام ابو عبد اللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے: وہب بن منبہ بن کامل بن مسیح ابن ذی کناز یعنی صنعانی، ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے۔ ان کے والد منبہ کسری کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی، یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہو گئے۔

## پیدائش:

۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔<sup>۱</sup>

## فضل و کمال:

اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا، بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔<sup>۲</sup>

## حدیث:

حدیث میں متعدد صحابہ سے فیض یاب ہوئے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابوسعید خدری، انس بن مالک اور نعمان ابن بشیر سے ان کی روایات ملتی ہیں۔<sup>۳</sup>

ان کے صاحبزادے عبد اللہ و عبد الرحمن اور بھتیجے عبد الصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار، سماک بن فضل، اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا۔<sup>۴</sup>

## فقہ:

ان کے فقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں صنعا کے عہدہ نضار پر مامور تھے۔<sup>۵</sup>

## غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم:

وہب دوسرے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گزشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔<sup>۶</sup> حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸۔ ۲ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۳۹۔ ۳ تہذیب احمدیہ جلد ۱ ص ۱۶۷۔

۴ ایضاً۔ ۵ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۵۔ ۶ تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۳۹۔



میں کعب اخبار کے نظیر مانے جاتے تھے!

استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے۔ داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے بہتر کئیوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں اور بائیس کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیں کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اتری تھیں۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں صحیح ہیں۔ تمیں کتابیں ایسی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی۔ اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب اخبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تجاذات میں جمع تھا۔

تفصیلات:

عبدالسلام میں فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاذ یہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اخبار الماضیین لکھی گئی اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اس فن میں ایک مفید کتاب ”ذکر الملوک“ لکھی۔ یہ اس وقت تالیف ہوا ہے لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار و انساب اور ان کے مقابر و اشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔ (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ کشف الظنون کی عبارت یہ ہے:

اول من صنف فی المغازی عروة بن الزبير وجمعها ايضاً وهب بن منبه.  
”مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی۔ اس کے بعد اس فن  
کو وہب بن منبہ نے جمع کیا۔“

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) میں موجود ہے۔ اس نسخہ پر سنہ  
کتابت ۲۲۸ھ درج ہے۔ وہب نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال  
نہیں کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے کہیں  
اسرائیلیات کو دخل نہیں کیا ہے (صحیح الاسلام ج ۲ ص ۲۳۲)۔  
فضائل اخلاق:

وہب فطرۃ نہایت صالح تھے۔ دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم  
اور عبادت گزار بنا دیا تھا۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت کرتے  
تھے، کامل بیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ طبیعت میں نرمی  
اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔  
غیر معتبر روایات:

لیکن کعب احبار کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی  
اشاعت کا باعث ہوئی۔  
حکیمانہ مقولے:

حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں۔ ان میں  
سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء میں نہیں ہو سکتا۔  
(ج ۴ ص ۶۷)

فرمایا کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم! اہل ذکر اور اہل  
غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے، یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے اور اہل غفلت  
میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو

کنارے ہوتے ہیں۔ اگر ایک کو پکڑو گے تو دوسرا جھک جائے گا، اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑو، تاکہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے، یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(ج ۴ ص ۳۵)

فرمایا ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے، لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۴ ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طیب کی سی ہے جس کے پاس دو اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتا (ج ۴ ص ۷۱) کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں طویل قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں۔ دونوں میں کون افضل ہے؟ فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو (ج ۱ ص ۳۴)۔

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند (ص ۴۱) ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے۔ دین کی علامت تین چیزیں ہیں: ایمان، علم اور عمل۔ پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں: اللہ پر ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان۔ عمل کی بھی تین شناخت ہے: نماز، روزہ، زکوٰۃ۔ علم کی تین علامتیں یہ ہیں: اللہ اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم، تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے: جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃ دی نہیں یا وہ پانہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ منافق کی شناخت کی تین صورت ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے۔ حاسد کے پہچانے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے: جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت گالی گفتم کرتا ہے صرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں: وہ اس چیز کو خریدتا جو

اس کے لائق اور اس کے لیے مفید نہیں ہے، کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے، کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہیں، یعنی ہر کام میں وہ اپنا معیار بلند کرتا ہے۔

(ج ۱ ص ۴۷)

ان اقوال میں انہوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

### وفات:

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعاء میں وفات پائی۔

### اولاد:

کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن ابن ندیم نے ان کے پرنواسے عبدالسعم کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے تاریخ کی ایک کتاب ”کتاب المبتدأ“ کے نام سے تصنیف کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص ۱۳۸)



## صحابیات رضی اللہ عنہن

### (۱) حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

تمیمہ نام باپ کا نام و ہب بنو قریظہ سے نسبی تعلق تھا

اسلام:

اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

شادی اور طلاق کا قصہ:

شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی مگر نباہ نہ ہو سکا اسی لیے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ بن زبیر سے شادی ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بنا پر عبدالرحمنؓ بن زبیر سے بھی طہیحہ کی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی کہ طہیحہ کی اجازت مرحمت فرمائی مگر اجازت نہیں ملی اور آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت تک عبدالرحمن بن زبیر کے ساتھ رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے طہیحہ کی اجازت چاہی لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کہ اب آؤ گی تو رجم کر دوں گا۔

۱۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں اسمیہ، رمیصا، امیرہ

رمیصا، مگر زیادہ روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے اسد الغابہ ص ۱۸۱ ج ۲۔ ح اسد الغابہ ایضاً۔

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے۔

### وفات:

وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک

زندہ رہیں۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ (بقرہ: ۲۹)

”پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لیے حلال نہ رہے گی اس

کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔“

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔



## (۲) حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

خالدہ یا خالدہ نام باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔

اسلام:

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا، میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمہیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے انہیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام کی دولت سے بہرہ اندوز ہوئے اور پھر گھر آ کر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، اس سے بہرہ اندوز کیا۔

زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔



### (۳) حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ریحانہ نام باپ کا نام شمعون یا زید تھا، باختلاف روایت سلسلہ نسب یہ ہے۔  
ریحانہ بنت شمعون بنت زید، بعض روایتوں میں ہے کہ ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنانہ  
بن شمعون ابن زید ہے۔ قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں۔

نکاح:

پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا۔ غزوہ بنو قریظہ کے دن دوسرے  
یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔ اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آئے تھے ان  
ہی میں حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المندر بنت قیس کے گھر میں

ٹھہرایا۔

اسلام:

ان سے فرمایا تمہیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کر لو یا اپنے مذہب (یہودیت)  
پر قائم رہو۔ انہوں نے اپنے قدیم مذہب پر رہنا پسند کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام

۱۔ میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلہ نسب ہے۔ اس لیے کہ ان کے والد کا شمار  
صحابہ میں ہے حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپ کا سلسلہ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ  
یہ حضرت ریحانہ کے والد تھے اسی لیے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔  
۲۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شمعون کے حالات  
میں تفصیل آچکی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار  
خزرج کے حلیف تھے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔



نہ لانے کا بزار نَح ہوا اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گراں گزرا اور خاموشی اختیار فرمائی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ایک شخص کے پیر کی چاب سنائی دی۔ آپ نے فرط مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں جو ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں!

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کر لوں گا۔ اس پر حضرت ریحانہ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حیثیت کے خلاف سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہو گئیں تو قبول کر لیا ہو۔ قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حبلہ عقد میں لے لیا اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔

ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انہیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل رجال نے انہیں سراری میں شمار کیا ہے، لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمائیں اور انہیں ازواج مطہرات میں شامل کر لیں، لیکن انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اپنی ملک میں ہی رکھیں تو میرے اور آپ دونوں کے لیے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ ج ۴ ص ۲۰۹)

۱ ابن سعد ج ۸ ص ۹۳ ان کے اسلام میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

۲ ابن سعد ایضاً۔

وفات:

آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء میں پہنچ گئیں۔

مدفن:

جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حلیہ:

خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا۔

قیام گاہ:

ابتداء میں ام المندر کے مکان میں ٹھہرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن ہند مستقل قیام گاہ رہی۔ اور وہیں وفات پائی۔

فضائل:

آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ ضرور پوری کرتے تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا اور باپردہ رہتی تھیں۔



۱۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی اسلئے جلد ۳ ص ۳۰۹۔  
 ۲۔ اصحابہ جلد ۳ ص ۳۰۹۔ ۳۔ ابن سعد ج ۸ ص ۹۳۔

## (۴) حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

سفانہ نام حضرت عدی بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں۔ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدی قبیلہ کے سردار تھے۔ وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے۔ لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں اور مسلمانوں کے ہاتھ آ گئیں۔ عام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں اور ایک خاص مقام پر رکھی گئیں۔ آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا 'یا رسول اللہ ﷺ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والا ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔ حضورؐ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا 'عدی بن حاتم' فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کر لیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گزر ہوا۔ اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے حضرت علیؑ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہو گئی اور رہا کر دی گئیں۔

لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لیے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو؛ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاہ کے کچھ لوگ طے۔ سفانہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان کے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام ان کو روانہ کر دیا۔ یہاں سے براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں

اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل و عیال کو تولے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور چند دنوں کے بعد ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو۔ تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہا میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا!

اسلام:

اسلام کے بارے میں صاحبِ اصابہ لکھتے ہیں:

وكانت اسلمت واحسن اسلامها.

”وہ اسلام لائیں اور حسن و خوبی سے اسے نپا ہا۔“

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔



## (۵) حضرت سیرین رضی اللہ عنہما

حضرت سیرین اور ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہما حقیقی بہنیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیہ بھیجا تھا، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تو حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ حضرت حسان رضی اللہ عنہما مشہور صحابی و شاعر کے جہلہ عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے انتقال ہوا تو حضرت ماریہؓ لخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرینؓ کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم تھا لیکن انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں!

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگرچہ رجال اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں، لیکن بعض قرآن کی بنا پر انہیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبلی تھیں اور معلوم ہے کہ مصر کے قبلی عموماً عیسائی تھے چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبلی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

نسبة الی القبط ای نصاری مصر۔ ”قبلی مصر کے عیسائی تھے۔“

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی آئے تھے ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا، لیکن یہ اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرا نیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

مابور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

## (۶) حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، صفیہ کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ کا نام حمی بن اخطب تھا، جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا، اور ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں کا نام ضرقتھا سوال رئیس قرظہ کی بیٹی تھی، اور یہ دونوں خاندان (قرظہ اور بنو نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح:

حضرت صفیہؓ کی شادی سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی العقیق کے نکاح میں آئیں، جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر تھا، کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیے گئے تو دجیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لوٹھی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض

۱۔ ان کے حالات کسی قدر اٹھانے کے ساتھ حرفہ بحرف سیرت الصحابیات ایڈیشن اول مؤلف سعید انصاری سابق رفیق دارالمصنفین سے منقول ہیں۔

کی کہ آپ نے رئیس بنوفیصر کو دجیدہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لیے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ رئیس عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت دجیدہؓ کو آپ نے دوسری لوٹھی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔<sup>۱</sup> خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی<sup>۲</sup> اور جو کچھ لوگوں کے پاس سامان تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے حضرت صفیہؓ کو حارث بن نعمان کے مکان میں اتارا جب ازواج مطہرات جمع ہوئیں تو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو حضرت عائشہؓ حضرت زینبؓ، حضرت حفصہؓ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں حضرت عائشہؓ جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کیف رأیتہا بعد انشہ عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا حضرت عائشہ بولیں ”یہودیہ ہے“ فرمایا یہ نہ کہو وہ تو مسلمان ہو گئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے۔<sup>۳</sup>

### عام حالات:

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے ۱۰ ہجری میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا اشتراک نظر پڑی تو انہوں نے آ کر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں میں واپس جاتی ہوں تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسنؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے

۱ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما یذکر فی الحج صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۲۶۔

۲ اسباب ج ۸ ص ۱۲۶۔ ج ۱ ابن سعد ج ۸ ص ۹۰۔

کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

وفات:

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ٹکٹ کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں۔

حلیہ:

کوٹاہ قامت اور حسین تھیں۔

فضل وکمال:

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کو امام زین العابدینؓ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی سزا بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا۔ اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔

اخلاق:

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔ اسد الغابہ میں ہے۔

كانت عاقلة من عقلاء النساء .

”وہ نہایت عاقلہ تھیں۔“

۱۔ اصابت ۱۳۷ ج ۱ بحوالہ ابن سعد۔ ۲۔ زرقاتی ص ۲۹۶ ج ۳۔ ۳۔ صحیح مسلم ص ۵۲۸ ج ۱۔

۴۔ اسد الغابہ ص ۳۲۷ ج ۳۔ ۵۔ اسد الغابہ ص ۳۹۰ ج ۵۔



زر قانی میں ہے!۔

كانت صفة عاقلة حليلة فاضله .

”یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔“

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔ غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی، حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں، لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں، اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کینز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں، اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ وہ میرے خویش و اقارب ہیں۔ اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی ”ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا۔“ حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ غلیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں: ”کاش آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی“ ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”سچ کہہ رہی ہیں“۔<sup>۱</sup> (یعنی اس میں تفضیح کا شائبہ نہیں ہے)۔

۱۔ زر قانی ص ۲۹۶ ج ۳۔ ۲۔ اصحابہ جلد ۸ ص ۱۲۷ (زر قانی ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد)

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آج کی اپنی باری جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے دیتی ہوں۔ آپ آنحضرت ﷺ کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ”یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔“ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے۔<sup>۱</sup>

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو۔ انہوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔<sup>۲</sup> ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے۔<sup>۳</sup> (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ”عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ”ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔“<sup>۴</sup>

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی

۱۔ مسند ج ۶ ص ۱۳۵۔ ۲۔ اصحاب ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد۔

۳۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹۳۔ ۴۔ صحیح ترمذی ص ۶۳۹۔

تھیں۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رہی ہیں۔ آپ نے ردا اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ آخر کار آپ ﷺ نے تمام قافلہ کو روک جانے کا حکم دیا۔

حضرت صفیہ بئیسینا سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہ بئیسینا اور ازواج مطہرات کو اپنے سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔



## (۷) حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب:

ماریہ نام ام ابراہیم کنیت، قبطیہ، ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصایا  
انص کا ایک گاؤں حنن ان کا آبائی وطن تھا۔  
خدمت نبوی ﷺ میں آمد:

۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لیے شاہان وقت کو جو خطوط  
لکھے تھے ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ  
لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا، لیکن حضورؐ کے پیام اور پیامبر کی بڑی  
پذیرائی کی اور قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی  
تھے خدمت نبوی میں تحفہ بھیجیں۔ ان لڑکیوں میں ایک تو سیرین بھیجی تھی جن کا ابھی  
ذکر آچکا ہے دوسری یہی ماریہ قبطیہ بھیجی تھیں۔

اسلام:

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئیں تھیں اس لیے وہ  
ان سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ حضرت حاطبؓ نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان  
کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول  
کر لیا، لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارث بن

۱ حضرت ماریہ کے ساتھ قبلی کی نسبت ہی اگرچہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لیے کافی ہے، لیکن میں  
نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرائن کی بنا پر ان کو اس فہرست  
میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالات میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ ج ۱ ص ۳۴ ص ۳۰۵۔

نعمان کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت ان کے پاس زیادہ ہونے لگی تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کر دیا (کہ آنحضرت کے سکون میں فرق نہ آئے) وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں تو آنحضرت نے انہیں مقام عالیہ میں جو اس وقت مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے، منتقل کر دیا۔ ۹ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا جس سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا خاص تعلق ہے۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

### عہد صدیقی و فاروقی:

حضرت ماریہ گوازواج مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمت عالم ان کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان و نفقہ کا خیال کرتے رہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فاروق نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

### وفات:

حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم ۱۶ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

### مدفین:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

### اولاد:

آنحضرت ﷺ کی جتنی اولادیں ہوئی وہ سب حضرت خدیجہ کے لطن سے ہوئیں۔ ان کے بعد صرف حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے لطن سے حضرت ابراہیم

۱ فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۳۔ ۲ ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۶، بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی، لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ ۱۶ھ کے پہلے مینے محرم میں ان کی وفات ہوئی اس لیے ۵ برس کی تعیین غلط نہیں ہے۔ ۳ اصابہ۔

پیدا ہوئے اور ۱۷-۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا بے حد غم ہوا تھا۔

حلیہ:

قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا؛ بال نہایت گھنے اور خوبصورت تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں! رقت قلب:

نہایت رقیق القلب تھیں، حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا، اور بے اختیار رونے لگیں۔ فضائل:

رسول اللہ ﷺ کو حضرت ماریہؓ سے بے حد محبت تھی، اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد و رفت بہت زیادہ رہتی تھی، گو وہ کنیز تھیں، لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے فضل کے لیے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے کہ:

استوصو بالقبط فان لهم ذمۃ ورحمۃ ورحمہم ان ام اسماعیل بن

ابراہیم وام ابراہم بن النبیؐ منہم۔ (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۳)

”قبٹیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس لیے کہ ان سے عہد

اور نب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی

والدہ (حضرت حاجرہ) اور میرے لڑکے ابراہیم دونوں کی ماں اسی قوم سے

ہیں اور اس عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔“

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

وكانت مارية هذا من الصالحات الخيرات الحسان۔ (البدایہ ج ۷ ص ۷۴)

۱۔ ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۵۔ ۳۔ جاریات یعنی کنیزوں کے لیے پردہ کی ضرورت نہیں۔

۴۔ اصحاب و ابن سعد۔

”اور ماریہ نہایت صالح“ پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں“

ایلا:

۹ ہجری میں رسول اللہؐ نے بعض خانگی اور ازدواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اسی واقعہ کو ایلاء کہتے ہیں جن اسباب کی بنا پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے اور انہوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور متخالف باتیں کہی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلاء کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے خلط ملط ہو گئے ہیں؛ جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔ بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرتؐ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتی تھی ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گزرتا تھا اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبہ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہو جایا کرتی تھی۔

اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہ بھی مبتلا ہو گئیں؛ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرتؐ حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں۔ اس اثناء میں آنحضرتؐ حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا باقتضائے بشریت ان کو بزارنج ہوا اور حضورؐ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ساتھ ہی ایسا کرتے ہیں۔

اس پر آنحضرتؐ نے ﷺ ماریہ سے کنارہ کشی کا عزم کر لیا، بعض روایتوں میں

آتا ہے کہ حضرت حصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غصہ میں بات کی۔ اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیحدگی کی قسم کھائی، جس پر سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے سورہ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں، لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کر لی تھی اور دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ان تكون الآية نزلت في سببين<sup>1</sup>

”ہو سکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں۔“

بہر حال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اور ایلاء کے واقعے میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ شبلی بریلوی نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہؓ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفس واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں تین باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ تیسری یہ ہے کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرتؐ کے اخلاق پر حرف گیریاں کی ہے۔

① صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے، لیکن نسائی باب الفيرة میں حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے۔ اگرچہ اس میں بھی حضرت ماریہؓ کا نام نہیں ہے، لیکن روایت کے سیاق و سباق اور دوسرے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس روایت میں چار راوی ہیں<sup>1</sup> اور ان میں سے کسی

<sup>1</sup> ابوالایم اور ان کے والد یونس حماد بن سلمہ ثابت بن اسلم البنانی تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔



کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا۔

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی مستدرک میں نقل کی ہے۔ اس روایت کے اوپر کے دور ادوی حضرت انس اور ثابت البنانی ہیں، لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے:

هذا حديث صحيح على شرط مسلم. (ص ۲۹۳ ج ۴)  
 ”یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔“

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہ کے حضرت حفصہ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے بزار کی روایت کے متعلق حافظ نور الدین بیہقی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ:

رجال البزار رجال الصحيح غير بشر بن ادم الا صفر وهو ثقة.  
 ”بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں، بجز بشر بن آدم کے، لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔“ (ج ۷ ص ۱۲۶)

حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بعض اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ  
 هذه طرق بغوى بعضها بعضا، یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے اور ان میں  
 ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی غیر صحیح نہیں ہے)  
 امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

ولم تات قصة مارية من طريق صحيح.  
 ”ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے۔“

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، ابوبکر بیہقی، امام ذہبی اس کی صحت کے قائل ہیں، حدیث کے بارے میں امام نووی کی رائے یقیناً بہت وقیع ہے، لیکن ان کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن کثیر نے آیت کے سبب نزول کے بارے میں تو یہ ضرور لکھا ہے کہ:

ان ذالک فی تحریم الاصل.

”آیت کے نزول کا سبب آپ کا شہد کو حرام کر لینا تھا۔“

لیکن حضرت ماریہؓ کے نفس واقعہ سے انہوں نے انکار کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱ ایلاء کا مشہور واقعہ جس میں آپ نے ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔

۲ سورہ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو اور بعض نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔

۳ حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات کا شمول نہیں ہے، چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔

۴ اگر امام نووی نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۵ اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت ﷺ پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت ﷺ کی بلندی و نزاہت اخلاق پر جس کا سارا زمانہ گواہ ہے، کیا حرف آسکتا ہے، قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے، لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپ کے معیار اخلاق پر حرف گیری کے لیے اس قسم کی روایات تو الگ رہیں جن کا بیشتر حصہ موضوع، جعلی، ناقابل اعتبار ہے، خود تعداد ازواج اور کنیزوں سے

انتفاع جنسی جیسے معلم و متعلم مسائل تک کو لے لیا گیا۔

بہتر چشم عداوت بزرگ تر پہے است ان کے مقابلہ میں سکوت ہی اولیٰ تر ہے۔ بہر حال کسی روایت کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے پھر اگر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازدواجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور یہ پیش نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائیں تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آ جائے گی۔

④ جس دن یہ واقعہ پیش آیا اس دن حضرت حفصہ کی باری کا دن تھا لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے یہاں تشریف لے گئے تو مکان خالی پایا حضرت ماریہؓ جیسا کہ اوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گزر چکا ہے حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں قیاس ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی اور آنحضرت ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے۔ اس اثنا میں حضرت حفصہؓ بھی آ گئیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تہجد دیکھ کر بتھماضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لیے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تو اس میں کون سی بات عقلی یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے یا اس میں ازدواجی نقطہ نظر سے کون سا استبعاد نظر آتا ہے۔



## (۸) حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ

امام بخاری نے ادب المفرد میں ایک باب ”عرض الاسلام علی ام النصرانیۃ“ باندھا ہے جس کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے ابو کثیر بیان کرتے ہیں:

سمعت ابا ہریرۃ یقول ما سمع بی احد یهودی ولا نصرانی لا اجنبی  
ان امی کنت اریدھا علی الاسلام فتابی.

”میں نے ابو ہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی کہ میں اپنی والدہ کو حلقہ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ انکار کرتی ہیں (اور میں برابر ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا) تو اس نے میرے اس طرز عمل کو پسند کیا۔“

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام لانے کا ذکر موجود ہے، مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ارباب رجال نے بھی ”ام ابی ہریرہ“ کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، مگر امام بخاری نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے اس لیے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا نسبی تعلق قبیلہ دوس سے تھا، جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا، اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی اس لیے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں، جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## تابعات

### تماضر

نام و نسب:

تماضر نام تھا، حضرت اصغ<sup>ؓ</sup> تابعی کی جو دومۃ الجدل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصغ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> کچھ دن دومۃ الجدل ہی میں رہے پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں، لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہو گئی جس کی وجہ سے عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> نے انہیں اپنے حوالہ عقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت زبیر<sup>ؓ</sup> سے شادی کر لی، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہو گئی۔

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمان<sup>ؓ</sup> کے دور خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت عثمان<sup>ؓ</sup> نے انہیں حضرت عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہ<sup>ؓ</sup> کے عہد تک زندہ رہیں۔

اولاد:

حضرت عبدالرحمن<sup>ؓ</sup> کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابوسلمہ تھے۔

## ام محمد القرظی

اہل رجال نے صحابیات کے یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا ہے۔ لیکن اصحابہ اور صفوة الصفوة کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا اس لیے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔ حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں ایک بڑا عالم پیدا ہوگا تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کاہنوں سے مراد بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنو قریظہ سے تھے اور ان کی والدہ ام محمد بنو نضیر سے۔

بہر حال اس روایت کی بنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کر لیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.



## ضمیمہ

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش و تفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی جو عہد نبوی میں اسلام لا چکے تھے مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی اس لیے ان کا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کیا جاتا ہے۔

### فردہ بن عمرو حاکم معاون:

فردہ معاون اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی تھی مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس و پیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ گوش اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی اور متعدد سواریاں عمدہ چادریں اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفہ بھیجیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فردہ کے اسلام لانے کا معانہ اور ان کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے کیا ردعمل ہوا اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا مگر ظاہر ہے کہ حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہوگا اور کتنوں کے عقائد و ایمانات میں تزلزل آ گیا ہوگا جس کو قیصر روم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ جونہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی اس نے فردہ کو دعوہ کے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو جس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنایا۔ جسے انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اسی قید کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارح عام پر لٹکوا دی!

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے جو معان کے قریب آباد تھا اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا اس بناء پر وہ بھی نصرانی رہے ہوں گے دوسرے معان چونکہ بری و بگری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لیے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

۱۔ ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔ ابن سعد ج ۲

## ذوالکلاع اور ذومعرو:

یہ دونوں بزرگی حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبد اللہ الجعفی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریرؓ ان کو احادیث نبویؐ سنا رہے تھے کہ وہ عمرو نے کہا کہ تم جن کی حدیثیں سنا رہے ہو ان کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ جریر یہ اندوہناک خبر سنتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے راستہ میں کچھ سوار لے جن سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت جریرؓ وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے اور ان دو آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حسیب نے ذومعرو کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے لیکن ذوالکلاع کے مذہب و عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

## غسان:

عہد نبویؐ میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کیے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالباً ۱۰ ہجری میں) حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں وہ حق ہے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ جب واپس جانے لگے تو خدمت نبویؐ میں عرض کیا کہ جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لیے جا رہے ہیں معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں؟ پھر انہوں نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا:

وہم یحبون بقاء ملکهم و قرب قیصر.

”ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو اپنی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی مگر اس کے دل و دماغ پر مادیت کے اتنے تہہ پہ تہہ پردے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکی اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئی۔

غسانیوں نے ان داعیان حق کے ساتھ اگر کچھ براسلوک بھی کیا ہو تو تعجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ رویوں کے زیر اثر تھے اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بہت براسلوک کرتے تھے۔ فرود بن عمرو کا واقعہ اور پرگزر چکا ہے ان ہی بدسلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوت ترک کر دی۔ ان میں سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحب عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگ یرموک کے دن حضرت ابوعبیدہؓ پہ سالار لشکر اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام



کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھایا۔

**بنو تغلب:**

بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے کہ ایک تغلبی بزرگ آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں آئے۔ آپ نے انہیں شرائع اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے، ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں۔<sup>۲</sup>

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی، مگر بنو تغلب کے متعلق آچکا ہے کہ یہ قبیلہ

نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اہل وطن مومنین اہل کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کر لیں ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ نے اس کی نفی فرمادی۔



نشانات



جزیرہ کے قدیم جہد قی راستے	۱۱
جزیرہ کے باقاعدہ نکات	۱۲
عسائر قبائل بان کے نشانات	۱۳
یہودی قبائل بان کے نشانات	۱۴
حماں یسوا اور یسائی مدفون ۱۶۶۲ء	۱۵
حماں یسوا کے نشانات ۱۶۶۲ء تک	۱۶

# خداستان

